تصوّف کی حقیقت

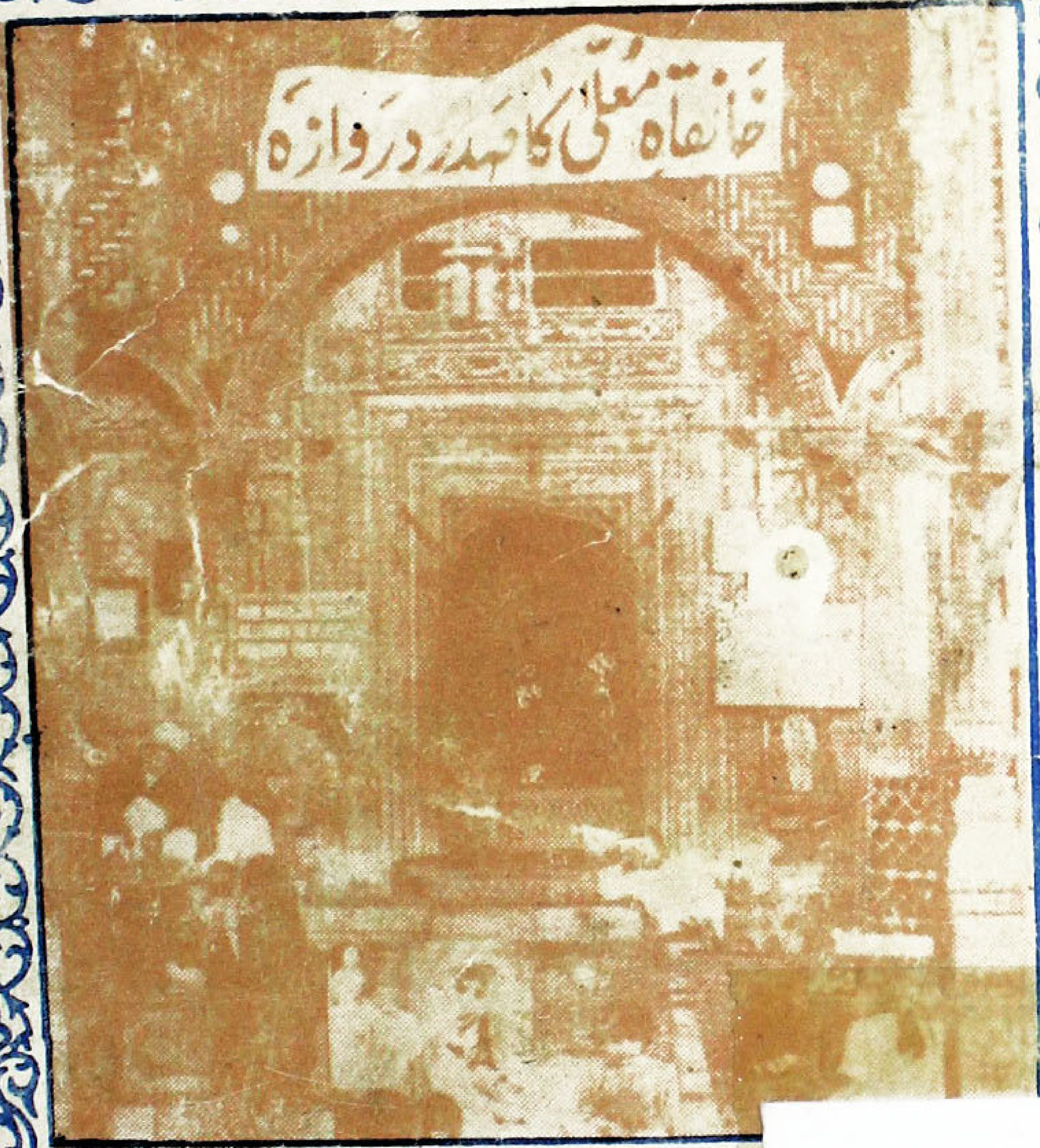

ثناء الحق صدیقی

29
7 ت
116

Marfat.com

DATA ENTE

تصوّف کی حقیقت

مؤلفہ: ثناء الحق صدیقی

ادارۂ دانش و حکمت
ڈی ۱۳۔ بلاک بی۔ نارتھ ناظم آباد۔ کراچی

Marfat.com

تعداد — ایک ہزار

بار دوم — نومبر ۱۹۸۳ء

قیمت — ۱۰ روپیہ

مطبع

ملنے کا پتہ

پاک اکیڈمی۔ دوکان نمبر ۲۲۔ جامع مسجد باب الاسلام
آرام باغ۔ کراچی

Marfat.com

(الف)

پیش لفظ

آغازِ اسلام سے تقریباً دوسو سال بعد تک مسلمان شریعت اسلامیہ کو اپنائے رہے جس کی وجہ سے اُن میں دینی حرارت قائم رہی اور وہ دنیا پر چھاتے چلے گئے۔ یہ چیز غیر مسلموں کے لئے تشویش کا موجب بنی اور وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح امت مسلمہ کو صراطِ مستقیم سے ہٹایا جائے۔ دوسری صدی ہجری قریب الختم تھی کہ ۱۹۸ھ میں مامون الرشید عباسی مسندِ خلافت پر متمکن ہوا۔ وہ ایک عجمی ماں کے بطن سے تھا اور اُس کے مزاج میں عجمی اثرات کا غلبہ تھا۔ اُس کے اکثر مصاحبین اور ارکینِ سلطنت بھی عجمی تھے۔ ان سب باتوں کے اثر سے اُسے فلسفہ سے گہرا لگاؤ ہو گیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں یونانی فلسفہ کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ وہاں کے عیسائی شہنشاہوں نے تالوں میں بند کر رکھا ہے تو اس نے وہاں کی حکومت کو لکھا کہ وہ کتابیں میرے پاس بغداد بھیجدی جائیں۔ عیسائیوں نے ایک میٹنگ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی دینی حرارت اور اُن کے جذبۂ جہاد کو یہ فلسفہ کم کر دے گا۔ لہذا یونانی مفکرین کا یہ ترکہ ضرور خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ بے شمار کتابیں اونٹوں پر لاد کر بغداد بھیجدی گئیں۔ اُن کے مطالعہ سے مسلمانوں میں فلسفیانہ مسائل مقبول ہونے لگے اور اسلام کے سیدھے سادے اصولوں پر فلسفہ کی رنگ آمیزی شروع ہو گئی۔ قرآن کریم میں بیان کردہ تخلیقِ کائنات اور تخلیقِ آدم کے بدیہی مسئلہ کو افلاطون اور ارسطو کے نظریوں سے جانچا جانے لگا۔ تعینات و تنزلات، علت و معلول

Marfat.com

اور ذات و صفات کی بحثیں شروع ہو گئیں۔ خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا ہو گیا جس نے کافی عرصہ تک ملّتِ مسلمہ میں ایک ہنگامہ بپا رکھا۔ مصر سے نو اشراقیت کا فلسفہ در آمد ہوا۔ اِن چیزوں کے ساتھ مجوسی اثرات بھی شامل ہو گئے۔ اس آمیزے نے ایک نئے مسلک کو جنم دیا جس کو یونانی الاصل لفظ "تصوّف" کا نام دیا گیا۔ اس کو ابتداءً چند غیر معروف لوگوں نے اپنایا اور وہ صوفی کہلائے۔ اُن لوگوں نے اپنے مسلک کو مقبول بنانے کے لئے قرآن کریم کی بعض آیتوں کی تاویل کر کے اُن کو اپنے اس مسلک پر چسپاں کرنا شروع کر دیا۔ اسماعیلی مذہب کے فنِ تاویلات نے ان کو تقویت پہنچائی اور انھیں کی اصطلاح "باطنی" مستعار لے کر انھوں نے تصوّف کا نام "باطنی علم" رکھ لیا۔ ان ترکیبوں سے یہ مسلک علماء کے طبقہ میں بھی مقبول ہوتا چلا گیا۔ اور امام غزالی جیسا عالم دین اور نابغۂ روزگار شخص بھی آخر عمر میں صوفیوں کے زمرے میں آ گیا۔ اس کے بعد سے تصوّف تیزی سے پھیلنے لگا۔ اور اسی تیزی سے اُس میں غیر اسلامی عناصر شامل ہوتے چلے گئے۔ مسلمان ہندوستان میں وارد ہوئے تو اس میں ویدانتی فلسفہ بھی شامل ہو گیا۔ مختلف قوموں کے اثرات نے تصوّف میں بہت سی غیر اسلامی باتوں کو داخل ہونے کا موقع دیا۔ مثلاً خانقاہی نظام، عرس، سماع، حبس الدم وغیرہ۔ ان سب پر وحدۃ الوجود کا نظریہ مستزاد ہوا جس نے خالق و مخلوق، عبد و معبود اور اسلام اور کفر کے فرق کو مٹا دیا۔ یہی نہیں بلکہ تصوّف کے مقابلہ میں شریعت کو گھٹیا درجے کی چیز قرار دے دیا گیا۔

ان قباحتوں کو دیکھ کر میرے رفیق کار ثناء الحق صدیقی نے تصوّف کی حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں واضح کرنے کی کامیاب

Marfat.com

کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ چونکہ تصوّف اب ایک ایسے نظام کا نام ہو گیا ہے جس میں بہت سے غیر اسلامی عناصر بھی شامل ہیں اس لئے اس میں سے ان غیر اسلامی اصولوں کو خارج کر کے تصوّف کی جگہ طریقت کا لفظ اختیار کیا جائے اور اس کو شریعتِ مطہرہ کے خادم کی حیثیت دی جائے تاکہ ان دونوں میں کوئی تناقض باقی نہ رہے اور طریقت شریعت کی تابع رہ کر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا ذریعہ بن جائے۔ اور ظاہر و باطن کی تفریق مٹ جائے۔

ثناء الحق صدیقی جنھوں نے یہ مقالہ تیار کیا ہے دیوبند اور تھانہ بھون کے دو دیندار خاندانوں کے چشم و چراغ ہیں۔ دیوبند اُن کا ددھیالی اور تھانہ بھون ننھیالی وطن ہے۔ وہ جہاد شاملی و تھانہ بھون کے ہیرو قاضی عنایت علی کے محل واقع تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ قاضی عنایت علی کے پھوپی زاد بھائی اور بہنوئی مولانا شیخ محمد محدث تھانوی اُن کے پرنانا اور مولانا مولوی محمد عمرؒ ابن مولانا شیخ محمد ان کے نانا تھے۔

ثناء الحق صدیقی کے دادا حاجی ظہور الدین بانیٔ دار العلوم دیوبند، مولانا قاسم صاحبؒ کے رفقا میں سے تھے۔ دار العلوم کے قیام کے سلسلہ میں انھوں نے شروع سے دل چسپی لی اور آخر عمر میں گیارہ سال تک دار العلوم کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ ان کے صاحبزادے اور ثناء الحق صدیقی کے والد مولوی عطاء الحق دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل، حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند کے شاگرد اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہم سبق تھے۔ اس لیے ثناء الحق صدیقی کو ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے شریعت اور طریقت کو سمجھنے کا موقع ملا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے علی گڑھ سے ایم اے کرنے کے علاوہ اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند

Marfat.com

بھی لی۔ اس طرح انھیں براہِ راست دینی علوم پڑھنے کا موقع نصیب ہوا۔ انھوں نے نہ صرف تصوّف کی اہم کتابوں کا مطالعہ کیا ہے بلکہ دو کتابوں کا فارسی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ ایک شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب "مرج البحرین" اور دوسری خواجہ باقی باللہؒ کی رباعیات کی شرح جو خود خواجہ باقی باللہؒ اور ان کے شاگرد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کی تھی۔ ان کے علاوہ "بائبل، قرآن اور سائنس" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے اس پر مفید حواشی دیئے۔ جس نے تعلیم یافتہ طبقہ میں کافی مقبولیت حاصل کی۔

"تصوّف کی حقیقت" ایک ایمان افروز کتاب ہے۔ یہ شریعتِ اسلامیہ کی برتری کو ظاہر کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے جو شخص شرک و بدعت سے بچنا چاہتا ہے اور اللہ رب العزت کو اپنا خالق و مالک سمجھ کر اس کا اطاعت شعار بندہ بننا چاہتا ہے اس کے لئے اس کا مطالعہ مفید اور ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا اور حامی و مددگار ہے۔

ناچیز

شمس الدین احمد حنفی

۲۰ فروری ۱۹۸۷ء

Marfat.com

۱۹۶۲ء میں ثناء الحق صدیقی نے اپنے پرنانا مولانا شیخ محمد محدث تھانوی کا ایک رسالہ "الہامات الموجود الودود فی تحقیق وحدت الوجود والشہود" شائع کیا تھا۔ اس کے مقدمہ میں انھوں نے "وحدت الوجود والشہود" پر خود بھی اظہار خیال کیا ہے جس کا کچھ اقتباس ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ ان کے لئے مسائل تصوّف کوئی اجنبی شے نہیں ہے۔

(ش۔ ح)

وحدت الوجود والشہود

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں ان دونوں اصطلاحوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس وقت صرف وحدانیت پر زور دیا جاتا تھا معبود ہونے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانا سب سے بڑا بلکہ نا قابل معافی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی پر ایمان کی بنیاد تھی۔ کلمہ طیبہ کا پہلا جز اسی عقیدہ کو مستحکم کرنے کے لئے پڑھا جاتا تھا۔ قرن اوّل کے صوفیا اور اولیا بھی اسی عقیدہ پر کاربند رہے اور انھوں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اصطلاحیں استعمال کر کے کبھی ذاتِ خداوندی اور کائنات کے تعلق کی تشریح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اتباع شریعت ان کا مقصد اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ان کا منتہائے نظر تھا۔

دو تین صدیاں گزرنے کے بعد حالات بدلے، مختلف اثرات نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو میں تبدیلی پیدا کی، تصوّف میں بھی طرح طرح سے رنگ آمیزی ہونے لگی۔ باطنی اصلاح کے لیے لفظ "احسان" کو ہٹا کر "تصوّف" نے اس کی جگہ لی،

Marfat.com

غالباً ذوالنون مصری نے بعض بیرونی اثرات کے تحت نہایت دھیمے سروں میں وحدت الوجود کا نغمہ الاپا۔ آہستہ آہستہ یہ لے بڑھتی گئی اور آخر کار حضرت محی الدین ابن عربی نے نہایت بلند آہنگی سے اس کو پیش کیا، ان کی آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ اس کی صدائے بازگشت ہر طرف سنائی دینے لگی۔ نظریہ وحدۃ الوجود ہی اصل و اساسِ دین سمجھا جانے لگا۔ آیات قرآنی کی تشریح و تشریح اسی نہج پہ ہونے لگی گویا پورا قرآن اسی نظریہ کی اشاعت کی غرض سے نازل ہوا تھا۔ بعض احادیث بھی ایسی فراہم کر لی گئیں جن سے اس نظریہ کی تائید ہوتی معلوم ہوتی تھی۔ غرض پورا تفکر اسلامی اسی رنگ میں رنگا گیا۔ انتہا تو یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے جز و اوّل لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم لا معبود الا اللہ کی جگہ لا مقصود الا اللہ اور لا موجود الا اللہ لیا جانے لگا۔

جیسا کہ سطور بالا میں لکھا جا چکا ہے، نظریہ وحدۃ الوجود کو سب سے پہلے اس اہتمام کے ساتھ حضرت محی الدین ابن عربی نے پیش کیا تھا اور ان کے بعض ہم عصروں نے اس کی اشاعت کی تھی ان بزرگوں نے سرشارِ محبت ہو کر اس رازِ محبت کو فاش کرنے کی جرأت کی تھی۔ ان سے پہلے منصور نعرۂ "انا الحق" بلند کر چکا تھا لیکن اس کو ایک نعرۂ مستانہ سمجھ کر کسی نے اس کا اثر نہیں لیا تھا، مگر ان حضرات نے اس کو جذب و مستی کی ایک کیفیت نہیں رہنے دیا اس سرِ محبت کو اس انداز سے دنیا کے سامنے پیش کیا کہ بادۂ محبت کے متوالے اس کو صدائے حق سمجھ بیٹھے اور تصوف کے عنان اسی سمت میں موڑ دی گئی۔ یہ عقیدہ خواص سے گزر کر عوام میں پہنچا تو اور بہت سے غلط تصورات قائم ہو گئے۔ مسلمانوں کی عبادات، ان کی قوتِ عمل، ان کی جمالیاتی حس، غرض سب چیزیں اس سے متاثر ہوئیں اور بعض گمراہ

Marfat.com

لوگوں نے شریعت کو علی الاعلان ایک ادنیٰ شے کہنا شروع کر دیا۔ عبادت کا مقصد عرفانِ ذات کہا جانے لگا۔ نصب العین حیات معرفتِ خداوندی کو بنا لیا گیا جس کی وجہ سے عمل کی قوت میں ضعف پیدا ہو گیا۔ شعر و شاعری اور ادب میں اس نظریہ کی پوری طرح کارفرمائی ہو گئی۔ یہاں تک کہ اردو کا سب سے عظیم شاعر غالب جو خود صوفی نہیں تھا لیکن جس نے تصوف کو واقفانِ راز کی طرح اپنے کلام میں جگہ دی، یہ نظریہ پیش کرنے پر مائل ہوا۔

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

غرض زندگی کا دھارا تعلیماتِ اسلامی کے مخالف سمت میں مڑ گیا، مسلمانوں میں جہاد کی روح کمزور ہو گئی اور ان کے مزاجوں پر خانقاہیت کا غلبہ ہو گیا، رفتہ رفتہ وہ سیادت و قیادت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہی وہ انقلاب تھا جس نے بقول علامہ اقبال مسلمانوں کی ذہنیت کو کلیتاً بدل ڈالا اور نظریہ وحدۃ الوجود امتِ مسلمہ کے لئے تباہیٔ بغداد سے زیادہ مہلک ثابت ہوا۔

اس خرابی کا باعث درحقیقت نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر اور اس کا غلط محلِ استعمال تھا۔ جو چیز حال تھی اس کو قال کر دیا گیا اور محرمانِ راز سے گزر کر یہ مسئلہ عوام تک پہنچ گیا جو اس کے کنہ و حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور کیفیت کو حقیقت و اصلیت پر محمول کرنے لگے۔ صوفیائے کرام نے یقیناً ذاتِ خداوندی اور کائنات میں عینیت کو محسوس کیا ہو گا، لیکن وہ ان مقدس روحوں کا حال تھا۔ انھوں نے اس کو وحدۃ الوجود کا نام سے تعبیر

Marfat.com

کیا یا وحدۃ الشہود کہا۔ ان کے لئے دونوں طرح روا تھا، عوام نہ اس باریک فرق کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ انھیں اس بحث میں الجھنے کی ضرورت ہے۔ ان کے لئے وحدانیت پر عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ ضروری ہے کہ وہ وحدانیت کو اساسِ دین خیال کریں اور اسی کی روشنی میں ذاتِ خداوندی اور کائنات کے تعلق کو سمجھیں، خداوند قدوس کو اپنا خالق و مالک سمجھ کر اس کے احکام پر چلنے کی کوشش کریں یہی شریعت کا تقاضا ہے اور اسی راستہ پر چلانے کے لئے ہمارے ہادی سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

چند مکاتیب

حضرت مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی نے بعض اہلِ علم کے سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔ ہر خط ایک اہم باب ہے۔

قیمت :- بیس روپے

Marfat.com

انتساب

محمد علی ناغرا مرحوم

(م ۱۹۸۲ء)

کے نام جن کی اسلامی علوم سے دلچسپی شریعت اسلامیہ سے رغبت اور بدعات سے نفرت وہ خوبیاں تھیں جن سے میں کافی متاثر ہوا۔ انھوں نے اس کتاب کی طبع اول کی طباعت و اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ان کی اس دلچسپی کی بدولت مجھے طبع دوم کو اس شکل میں پیش کرنے کا موقع ملا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الفرقان وجعلہ ناسخاً لجمیع الادیان والصلوٰۃ والسلام علی انبیاءہ الذین بلغوا رسالاتہم بکمال النصیح والتبیان، ولاسیما علی محمدٍ رسول اللہ خاتم الانبیاء وکامل العمل والایمان وعلی کل من اتبعہ باحسان۔

یہ چھوٹی سی کتاب جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ اس کا موضوع اس کے نام "تصوف کی حقیقت" سے ظاہر ہے۔ ہمارے فاضل و محقق دوست ثناء الحق صدیقی صاحب نے جب اپنی کتاب میں اضافہ و نظرثانی کے بعد دوسری بار اسے طبع فرمایا تو مجھ سے فرمائش کی کہ میں کچھ نہ کچھ اس کی ابتداء میں بطور مقدمہ یا دیباچہ لکھ دوں۔ میں تعمیل ارشاد کر رہا ہوں لیکن یہ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ فاضل مصنف نے تلاش و تحقیق کا حق اس میں بڑی حد تک ادا کر دیا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ نفس مضمون میں تکمیل کے لئے کوئی اضافہ کیا جائے۔ اس لئے میری تحریر کو مطالعہ کتاب کی راہ ہموار کرنے کا ایک سطحی عمل ہی سمجھا جائے تو مناسب ہوگا۔

تائید و تحقیق

کسی مسئلہ میں اگر آپ نے کسی خاندانی اثر، ماحول کے تقاضوں یا کسی وجہ کی بنا پر ایک رائے قائم کرلی ہے اور اپنی تقریر یا تحریر میں اپنی رائے کو دلائل و براہین اور دوسرے

Marfat.com

بزرگوں اور عالموں کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں تو یہ عمل، عمل تائید یا استدلال ہوا، کبھی یہ عمل تحقیق و تفتیش سے زیادہ دقیق و عمیق بھی ہوتا ہے۔ اس میں منطقی انداز میں مقدم و تالی مرتب کر کے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ کام قابل قدر اور مفید کارنامہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ کارنامہ قابل قدر ہونے کے باوجود "تحقیق" نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا نام تائید یا استدلال ہے۔

تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ محقق کا ذہن ہر قسم کی عصبیت، محبت اور مخاصمت کے افکار سے پاک ہو، وہ کوئی بات ثابت نہ کر رہا ہو۔ نہ اس بارے میں اس کا کوئی خاص مسلک ہو، اور نہ کسی مسلک کی تردید یا تائید اس کا مقصود ہو، مطالعہ اور تحقیق سے جو کچھ ثابت ہو وہی اس کا مسلک ہو اور مسئلہ زیر بحث میں جو بات حق نظر آئے وہی اس کا یقین قرار پائے۔ ورنہ استدلال، مناظرہ اور تحقیق میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا شاید اسی لئے تحقیق کے ساتھ اردو زبان میں اس کی صفت "دو بے لاگ" لگا کر "دو بے لاگ تحقیق" یا غیر جانبدارانہ تحقیق وغیرہ کہتے ہیں۔

اگرچہ یہ کام مشکل ہے اور بہت سے معاملات و مسائل میں تو یہ بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جو کسی قدر کامیابی کے ساتھ ایسے کسی مسئلہ میں تحقیق کا حق ادا کر دے۔ اس کا اہل علم پر بڑا احسان ہے۔ ان ہی مشکل مسائل میں سے ایک مسئلہ تصوف کا بھی ہے، ہم نے جب سے ہوش سنبھالا مسلمانوں میں اس کا چرچا دیکھا۔ خانقاہوں کی مقدس فضاؤں کو قوالوں کی

Marfat.com

...از طبلوں کی تھاپ اور یارہوتم کے سر دل سے گونجتی پایا۔ بڑے
بوڑھوں میں بیٹھے تو دین کے نام سے تین نظاموں کا ذکر سنا۔
شریعت، طریقت اور حقیقت۔ مسجدوں سے نماز پڑھ کر نکلے تو راہ میں
کئی بار دیوانوں کو دیکھا جو طرح طرح کے نعرے لگا رہے تھے حتیٰ کہ وہ
بھی نظر آئے، جو اللہ جل جلالہٗ کو مغلظات گالیاں سنا رہے تھے دل
میں ان کی طرف سے شدید نفرت پیدا ہوئی لیکن بزرگوں نے مجبور کیا
کہ ہم انھیں خدا رسیدہ، اللہ کے پیارے اور عام مسلمانوں سے کہیں بہتر
و برتر سمجھیں، اور ہم سے کہا یہ گیا کہ یہ مجذوب ہیں مجنون نہیں ہیں یہ
جو کچھ بول رہے ہیں وہ سکر کی حالت میں بول رہے۔ جب یہ حالت
صحو میں آئیں گے تو اس وقت وہ حضرات صحابہ کی طرح باتیں کریں گے

ع۔ تھا غلط، جو کچھ کہ دیکھا جو سنا سب جھوٹ تھا

ہم نے اور ہم پر ہی کیا منحصر سیکڑوں بلکہ ایک ہزار سال سے ہمارے
کانوں میں اعزاز احترام عظمت وجلالت کے ساتھ جن بزرگوں کے
مقدس اسمائے گرامی پڑ رہے ہیں ان سب میں مشترک امر قرب الہٰی
ہے۔ وہ قرب الہٰی جو مراقبہ و مکاشفہ سے حاصل ہوا ہے، یہ سب تصوف
ہیں اور تصوف کے ہاتھوں پروردہ بتائے جاتے ہیں اور ہمیں بار بار
یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی ہدایات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی بتائی ہوئی شریعت نہ صرف ناکافی اور ادنیٰ درجہ کی چیز ہے بلکہ ارتقائے
روحانی کے لئے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے آدمی میں خالق

Marfat.com

سے بعد اور حقیقتین کا تصور ہوتا ہے، سیر الی اللہ، من اللہ، فی اللہ اور سلوک کی کسی منزل میں شریعت کچھ بھی کام نہیں آتی، ہاں تربیت کے بالکل ابتدائی دور میں جب کہ نظر عالم ناسوت میں گم ہوتی ہے۔ اگر مرشد کامل نہ ملے تو شریعت کبھی کبھی کچھ کام آجاتی ہے لیکن اگر سالک شریعت میں پھنس گیا تو برباد ہو گیا۔ ناسوت سے جبروت اور جبروت سے ملکوت اور ملکوت کی آخری حد دیوار تحقیق تک اس کی کبھی رسائی نہیں ہوگی۔ مقام لاہوت و لامکاں تو یہ بہت دور ہیں۔ اس طرح لطائف خمسہ اور تنزلات ستہ ہی سے بالکلیہ بے خبر نہیں رہ جائے گا بلکہ سر ظہور اس پر کسی طرح ہویدا نہیں ہوگا۔ اسی لئے تو ایک عارف باللہ نے فرمایا ہے۔

کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم
حرم ہم دیر ہم بت خانہ ہم بت ہم برہمن ہم
صلاۃ و صوم کی یہ بندشیں پڑھنے نہیں دیتیں
طریق عاشقی میں چھوڑتے ہیں دین کا دامن ہم

کسی بزرگ کے آستانہ مبارک پر پہنچے تو دروازہ پر حافظ شیرازی کا یہ شعر خوشخط لکھا پایا۔

بمئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز رسم و راہ منزلہا

ہم نے کبھی قدر اور ترقی کی اور تصوف کی سرکار میں جا کھڑے ہوئے۔ حکم ہوا۔

Marfat.com

نہ کر سجدہ نہ جا کعبہ، نہ مر بھوکا نہ رکھ روزہ
وضو کا توڑ دے کوزہ، شراب عشق پیتا جا

اس قسم کی فضا میں پرورش پانے، تعلیم حاصل کرنے اور زندگی بسر کرنے کے بعد کوئی محقق تصوف کی حقیقت بیان کرنے پر اتر آئے تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ :-

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ثناء الحق صدیقی صاحب کی اس کتاب "تصوف کی حقیقت" کا مطالعہ کرنے کے بعد میری طرح آپ بھی شاید یہی کہیں، میں نے تصوف کی بہت سی کتابیں بڑے شوق اور انہماک کے ساتھ پڑھی ہیں تصوف کے خلاف جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا بھی بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے۔ اور تصوف کے دفاع اور اس کی تائید میں جو اہل علم حضرات نے لکھا ہے وہ بھی ایک مدت سے مطالعہ کر رہا ہوں بعض بزرگوں سے مشافہتہً بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن اس قدر واضح الفاظ میں اور ایسا مختصر بیان کم ہی نظر آیا۔ یہ کہنا تو یقیناً مبالغہ ہوگا کہ کہیں نہیں نظر آیا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ بہت ہی کم لوگ تعریف و تردید سے بے نیاز ہو کر تصوف کی حقیقت پر کچھ لکھنے کی ہمت کر سکے ہیں۔ بزرگوں سے عقیدت اصل حقیقت تک پہنچنے میں ہمیشہ

Marfat.com

ہی حائل رہی ہے۔

لفظ تصوف کی لغوی تشریح مختلف بزرگوں کے بیانات اور مختلف ادوار تاریخ میں اسلامی تصوف میں اخذ اور اضافہ کی داستان تو آپ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ فاضل مصنف نے اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد معلومات یکجا کر دی ہیں۔ اگر یہ معلومات سب کچھ نہیں ہیں تو جمع و استقصاء مقصود نہیں تھا۔ توضیح و تشریح کے ساتھ حقیقت تک پہنچانا مقصود تھا۔ اور اس مقصد کے لئے اتنی معلومات کافی ہیں۔

میں اس مختصر سی تحریر میں جو اس کتاب پر بطور مقدمہ یا دیباچہ شائع کی جا رہی ہے، یہ چاہتا ہوں کہ کچھ مزید اشارات پیش کر دوں جو اصل کتاب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ میں ناظرین کے لئے کارآمد ثابت ہوں۔

مذاہب عالم اس وقت دنیا میں جتنے انسان آباد ہیں، ان میں سے تقریباً دو فیصد وہ لوگ ہیں جو بالکلیہ لامذہب ہیں یعنی وہ لوگ نہ وجود خالق کے قائل ہیں اور نہ جزائے اعمال کے، ان میں بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں اور نرے جاہل اور جنگلی لوگ بھی۔ میں نے چین، روس اور یورپی ممالک کے سفر بھی کئے بڑے بڑے علمی اداروں اور نامی گرامی علماء سے بھی ملا ہوں اور ان سے علمی استفادے کئے ہیں۔ اور افریقہ، اوشینیا اور ہندوستان کے

Marfat.com

جنگلی قبائل میں رہ کر ان کے عقائد۔ افکار اور اعمال کا مطالعہ بھی کیا ہے میرا اندازہ یہ ہے کہ آج کل جو انسانی آبادی ہے اس میں بالکلیہ لامذہب ناآستک اور ادھرمی لوگوں کا تناسب کسی طرح دو فیصد سے زیادہ نہیں ہے، باقی سارے ہی بالغ مرد و عورت کسی نہ کسی طرح مذہب کے پیرو ہیں۔ کہیں عقاید کے ساتھ ساتھ مذہبی مراسم و عبادات بھی ہیں اور کہیں مراسم عبادت مفقود ہیں۔ اور ان کی جگہ کچھ نہ کچھ اخلاقیات او صداقت عامہ سے پُر کر دی ہے۔

ان تمام مذہب کو افکار و عقاید کے بے شمار اختلافات کے باوجود تین واضح قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) آسمانی مذاہب یعنی وہ مذاہب جو اپنی بنیاد، حکم خالق، یا لاہوتی ہدایات پر قائم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مثلاً "یہودیت، اسلام اور نصرانیت وغیرہ۔ ان میں عقیدہ اور عمل دونوں کی بنیاد لاہوتی ہدایات ہیں

(۲) فلسفیانہ مذاہب یعنی وہ مذاہب جن کی بنیاد فلسفیانہ افکار اور منطقی استدلال پر قائم ہے مثلاً تاؤمت، بدھ مت اور کنفیوشس مت وغیرہ، ان مذاہب میں خالق عالم سے ہدایات کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں بتایا گیا ہے بلکہ منطقی انداز میں بذریعہ استدلال یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ آدمی کو کیا چاہیئے اور وہ اپنے مقصد کو کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) وہمی مذاہب یعنی وہ مذاہب جن کی بنیاد اوہام اور ذہن انسانی پر خوف، خواہش اور محبت و نفرت وغیرہ کے جذبات کے تسلط

Marfat.com

نے مہیا کی ہے مثلاً مظاہر پرستی، بت پرستی اور آباء پرستی وغیرہ ان مذاہب میں بزرگوں سے وابستگی، کورانہ عقیدت مندی، اور آباء و اجداد کے محیر العقول کارناموں کی بڑی بہتات ہوتی ہے اگر یہ نہ ہوں تو صدیوں بلکہ ہزاروں سال تک انسانی ذہن وہمیات کو قبول کر کے اس پر مطمئن نہیں رہ سکتا۔ انسان کی قوت عقلیہ کو بے کار کر دینے کا اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا۔ کیا ایسے رجب کے کونڈوں کے لئے ایک فرضی لکڑ ہارے کا افسانہ سنایا جائے یا بارہ سال پہلے ڈوبی ہوئی پوری برات کو دریائے دجلہ سے نکال کر زندہ اور خوش و خرم دکھا دیا جائے۔

مذہب کی ابتدا دنیا کے تقریباً سارے ہی مذہبی افسانے اس بات پر متفق ہیں کہ جب خالق کائنات نے کرۂ ارضی پر پہلا انسان پیدا کیا تو اسے اپنی طرف سے عقائد و اعمال کے سلسلہ میں ضروری ہدایات بھی عطا فرمائیں۔ قرآن مجید بھی اس کی بار بار تصدیق کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب دنیا میں بھیجا گیا تو انہیں ہدایات بھی دی گئیں۔

اسی طرح لاوُزے کی کتاب، ہندوستان کا لوک پران، یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتب قدیمہ اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید سب اس پر متفق ہیں کہ ابتدا میں دنیا کے سارے ہی انسان ایک ہی عقیدۂ توحید کے پیرو اور ایک ہی امت تھے۔ اور اختلافات بہت بعد کو پیدا ہوئے ہیں۔ یہ اختلافات کس کس طرح پیدا ہوئے ان کی طویل داستان کے لئے

Marfat.com

یہ چند صفحات کافی نہیں ہیں۔ مختصر یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اختلافات ایک دوسرے کے ضد میں پیدا ہوئے اور زیادہ تر عقل نارسا کی کارستانیوں سے پیدا ہوئے اور اس قدر رنگ برنگی اختلافات پیدا ہوئے کہ انسان توحیدِ کامل سے گرتے گرتے درختوں، جانوروں اور ستاروں کا پرستار بن گیا۔

انسان نے جب حضرت آدم علیہ السلام (بابا برما پرش یا آدی ناتھ) کے دین سے سرتابی کی تو ابتداً یہ سرتابی نسلی غرور کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ایک دادا کی اولاد نے اپنے دادا کے دوسرے بھائیوں کی اولاد پر اپنی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اُس نے اپنے دادا کے مزایا و مناقب کے لئے سچے اور جھوٹے دونوں ہی طرح کے افسانے پیدا کئے۔ اس کا نمونہ مختلف مٹھوں پر مٹھ اور خانقاہوں میں اب بھی دکھائی دیتا ہے۔

اس کے بعد جب انسان اور زیادہ متمدن ہوا اور ایک نسل کے لوگوں نے گاؤں بنا کر ایک جگہ بود و باش اختیار کرلی تو نسلی تفاخر نے وطن مقدس کی شکل اختیار کرلی اور آج تک جتنے فسادات اور خوں ریزیاں ہوتی رہی ہیں ان میں سے نوے فیصد فسادات کے بنیادی اسباب یا نسل ہے یا وطن۔ اس طرح دین و مذہب بھی نسل و وطن پر تقسیم ہو کر طرح طرح کے عقاید و افکار پیدا ہو گئے۔

سِرِّ ظہور — سب سے پہلا سوال جو ذہن انسانی میں اُبھرا وہ یہ تھا کہ خالق کائنات نے دنیا کو اور خصوصاً انسانوں کو کیسے پیدا کیا۔ یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ خالق کائنات کو "علیٰ کل شیءٍ قدیر" مان لینے کے بعد انسان نے یہ کیوں نہ تسلیم کرلیا کہ اس کے حکم سے سب چیزیں جیسے

اس نے چاہا وجود میں آگئیں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے کہ:

جب ہم کچھ بنانا چاہتے ہیں تو حکم دیتے ہیں

کہ ہو جا اور ویسا ہی ہو جاتا ہے۔

لیکن انسان کی نکتہ آفرینی دیکھئے کہ یہ مان لینے کے باوجود یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ ساری کائنات خالق کائنات نے کیسے پیدا ہوگئی۔ اس سوال کے حل کرنے کے لئے انسان نے بہت سر مارا لیکن کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ انسان کے تینوں ذرائع علم بے کار ثابت ہوئے، مشاہدہ ناممکن تھا استدلال کے لئے صغریٰ کبریٰ لاعلمی میں کہاں سے آتے۔ خبر اور صرف خبر ہی کام آسکتی تھی لیکن کج فہمی کی وجہ سے انبیاء کی دی ہوئی خبر کے خلاف انسان نے بغاوت کر رکھی تھی۔

ذرا اس بچے کی حیرانی پر غور کیجئے جو اپنی ماں کی صداقت پر ایمان لائے بغیر رشتے ناطوں کی تعین کرنا چاہتا ہو، اور یہ یقین پیدا کرنا چاہتا ہو کہ باپ کون ہے اور بڑا بھائی کون، بڑی بہن کئی سال بڑی ہے، اور خالہ ماموں کون کون ہیں۔

اس حماقت کا نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء کی تعلیم سے ہٹ کر انسان نے سر تخلیق اور سر ظہور کو معلوم کرنے کی سعی میں ایک نیا دین پیدا کر دیا۔ پہلے ایک ہی دین تھا، دین عبدیت جس کی تعلیم خالق کائنات نے دی تھی اور جس کی تبلیغ سارے انبیاء کرتے رہے تھے۔ قرآن مجید کی سورۂ مریم کی آیت ۹۳ میں اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

Marfat.com

ان کل من فی السموٰات والارض آسمانوں اور زمینوں میں کوئی چیز ایسی
الا آتی الرحمٰن عبداً نہیں جو اللہ الرحمٰن کے حضور میں عبد
(بندہ) نہ ہو۔

اب ایک اور دین انسانوں نے پیدا کیا وہ ہے "دین عینیت"۔ دین عبدیت میں تو تنوع کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ خالق اور مخلوق کے مابین صرف ایک ہی رشتہ ہو سکتا تھا۔ اور وہ رشتہ عبد و معبود کا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف دین عینیت میں تنوع و تعبیر کی بڑی گنجائش تھی۔ اس لئے دین عینیت کی درجنوں شاخیں پیدا ہوئیں۔ کسی نے اسے درخت اور شاخوں سے تعبیر کیا، کسی نے اللہ تعالیٰ کا بروز (اوتار) بتایا۔ پھر شاعروں نے ان افکار کے پر لگا دیئے۔ اور غالب دہلوی نے تو صاف صاف کہہ دیا۔ ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

صوفیہ نے اس خیال میں بڑے خوش نما گل بوٹے پیدا کئے ہیں۔ اسی سوال کے حل کرنے کو لطائف خمسہ اور تنزلات ستہ کا سارا فلسفہ پیدا کیا گیا۔ صوفیائے کرام کے نزدیک تو یہ اتنا اہم مسئلہ ہے کہ برسوں تک خانقاہی تربیت کے بعد بھی اور صرف جوہر قابل ہی کو سرِ ظہور اور سرِ تخلیق سے آشنا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جب سالک پر یہ راز منکشف ہوتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ویدانت، اپنشد، یونانی تھیاسوفی اور خانقاہ شریف کا سرِ ظہور ایک ہی بات ہے جو مختلف زبانوں اور مختلف اصطلاحات میں

بیان کی جا رہی ہے۔

بہرحال اب دین دو ہو گئے۔ ایک دینِ عبدیت" اور دوسرا "دینِ عینیت" اور یہ تقسیم کچھ بعثت محمدی کے بعد نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ ہزاروں سال پہلے ہی سے یہ تقسیم قائم ہو چکی تھی۔ یہودیت سے بھی پہلے سے یہ دونوں دین ایک دوسرے سے بالکلیہ مختلف عقائد و افکار کے ساتھ موجود ہیں۔

دینِ عینیت سے تقریباً ہر دین نے کچھ نہ کچھ اثر قبول کیا اور جس نے دینِ عینیت کے فلسفیانہ افکار سے اثر قبول کیا۔ اس نے اپنے مقدس نوشتوں سے اس دین کی تائید میں کچھ نہ کچھ نکتے پیدا کئے۔ اور جن کو مقدس نوشتہ نہ مل سکا انہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال و اعمال سے عینیت کی تائید کے لئے کوئی نہ کوئی اشارہ حاصل کیا۔ اگرچہ اس میں بڑی دور دراز تاویلات بلکہ بعض جگہ صریحاً تحریف معنوی کی ضرورت پیش آئی لیکن انسانی ذہن مایوس نہ ہو سکا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان مذاہب میں جن کی بنیاد اوہام اور محض خوف و استعجاب ہے۔ اس میں بھی ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت اور مایا کایا کی یکتائی کا عقیدہ قائم ہو گیا۔ اور وجود نمود اور شہود کی وحدت کو اس شدت سے ظاہر کیا جانے لگا کہ اعمال کے خیر و شر ہونے کا سارا یقین ڈگمگا گیا۔ ہمیں ان مذاہب کی دیو مالاؤں میں ایسے بہت سے قصے ملتے ہیں جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسانی اخلاق اور صداقت عامہ کی دھجیاں

Marfat.com

کس اطمینان کے ساتھ اڑا دی گئی ہیں۔

رہے وہ مذاہب جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے عقائد و اعمال کی بنیاد خدائی احکام اور لاہوتی ہدایات پر ہے۔ ان مذاہب کے ماننے والے اپنے صحیح عقاید عبدیت سے جب بھی ذرا ہٹے تو انھیں پناہ دین علتیت کی کسی نہ کسی پناہ گاہ میں ملی۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں حق سے ہٹ کر ضلالت کے سوا کوئی اور کہاں جائے گا۔

دین موسوی کی تاریخ پڑھیے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے علماء، احبار اور رہبوں نے لوگوں کا مال نذرانوں اور چڑھاوں کی صورت میں کھانے کی عجیب عجیب شکلیں پیدا کیں اور اس میں وہ کامیاب رہے حالانکہ سر ظہور اور سر تخلیق کی ان کے مذہب میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ تو محسوس اجرام و اجسام کی طرح خدائے مجسم کے قائل تھے۔ لیکن دوسروں پر اپنا امتیاز قائم کرنے اور دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے "اللہ کے فرزندان گرامی" اور "اللہ کے محبان عالی قدر" کے افکار کو بڑی کوششوں سے جاہلوں کے ذہن و دماغ میں راسخ کیا۔

عیسائیوں نے دین علتیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جب کوئی مہمل سی بات جاہلوں کے دماغوں میں اتارنی چاہی کسی نے روح القدس سے معمور ہو کر کہہ دی۔ اس کے سوا ترک دنیا، مختلف قسم کی تعذیب نفس اور سب سے دل چسپ بات تو یہ بنائی کہ گرجاؤں میں اقرار گناہ کرا کے پادری صاحب نے خدائے غفور کے اختیارات استعمال فرمائے اور گناہ معاف کر دیئے۔

Marfat.com

اسلام کوئی نیا دین نہ تھا۔ یہ وہی دین تھا جو ہدایات الٰہیہ کی صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور جس کی تعلیم حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور سارے انبیاء علیہم السلام دیتے رہے تھے۔ قرآن مجید میں کئی بار اس کو بتایا گیا ہے کہ وہی پرانا دین ہے۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹

ان الدین عند اللہ الاسلام ...... الایتہ — بلاشبہ دین تو اللہ کے پاس اسلام ہی تھا۔

اسلام میں کسی پیچیدہ فلسفیانہ عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمان صحابہ اور تابعین کے عہد میں کوئی فلسفیانہ اصطلاحات میں گفتگو نہیں کرتا۔ نہ کوئی وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، لطائف خمسہ، تنزلات ستہ، سکر، صحو وغیرہ کے صوفیانہ الفاظ بولتا ہے۔ نہ کوئی صوفی کہلاتا ہے اور نہ کوئی سر تخلیق و سر ظہور کی باتیں کرتا ہے، نہ کوئی جلیل القدر صحابی قرآن مجید کے باطنی معنی بیان کرتے ہیں۔ فلسفۂ تصوف ہی نہیں بلکہ ما بعد الطبعیات کی کوئی اصطلاح نہیں دکھائی نہیں دیتی۔

ہر ذی ہوش آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات کریمہ سے لوگ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا ثبوت مہیا کرتے ہیں کیا ان آیتوں کو سادہ اور پختہ ایمان رکھنے والے صحابہ کرام اور صحابیات ذوات الاحترام ان معانی کے ساتھ سمجھتے تھے؟ لیکن یہ تو

Marfat.com

ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ لوگ مابعد الطبعیاتی رخ میں الجھے بغیر آیات قرآنی کے معنی مقصود کو خوب سمجھتے تھے اور پورے اخلاص کے ساتھ ان پر عمل کرتے تھے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معنی میں منصف مزاج اور دیانت دار پیغمبر اور مبلغ اسلام تھے وہ یہ ہرگز نہیں کر سکتے تھے کہ دین کی اعلیٰ باتیں صرف اپنے رفیق حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو یا اپنے عزیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سکھا دیتے اور باقی لوگوں کو صرف گھٹیا درجہ کی باتیں سکھانے پر اکتفا کرتے۔ نبی کے حق میں ایسی بدگمانی کے بعد آدمی مومن نہیں کہلا سکتا۔

یہ جو صوفیائے کرام کے شجرے آج ہمیں دکھائی دیتے ہیں وہ سب اس ضرورت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ الحمد للہ امت اسلامیہ کو اس پر ہمیشہ اصرار رہا ہے اور آج تک اصرار ہے کہ جو بات خود سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو وہ کسی طرح واجب القبول نہیں ہو سکتی، اس اصرار کی وجہ سے پیشہ ور پیروں نے اپنے طریقہ کو مستند قرار دینے کے لئے عہد صحابہ کے صدیوں بعد یہ شجرے تیار کر کے پیش کر دیئے اور اس سلسلہ میں بڑی دانشمندی سے کام یہ لیا کہ اُن بزرگ اور متقی لوگوں کے نام شجروں میں شامل کر دیئے جن کے اچھے، عابد اور زاہد ہونے کی شہرت قائم تھی، تاکہ لوگ اُن بزرگوں کی عقیدت کے باعث ان کے شجروں کو قبول کر لیں اور ایسے تمام بزرگوں کے نام خارج کر دیئے جن کی فقہ، حدیث یا دیگر علوم اسلام میں شہرت

Marfat.com

تھی، تاکہ کبھی ان بزرگوں کے کسی قول سے ان کے باطنی فلسفہ کی تردید نہ کر دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین کے بنائے ہوئے ان شجروں میں نہ کہیں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اوزاعیؒ، امام داود ظاہریؒ جیسے بزرگوں کے اسمائے گرامی دکھائی دیتے ہیں۔ اور نہ صحابہ کرام میں سے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثلاً سعد بن ابی وقاصؓ، شرجبیل بن حسنہؓ، سمرہ بن جندبؓ، خالد بن الولیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ تابعین میں سے عطاء بن رباح، مجاہد، نافع وغیرہ کسی کا نام کہیں شجرہ میں شامل نہیں ہے۔

اس کے برخلاف ان بزرگوں کے نام لکھ لئے ہیں جو مرنجان و مرنج الگ تھلگ پاک وصاف زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ انھیں باطنی فلسفہ کی کوئی خبر تھی اور نہ دینِ عینیت کی، ان کی وفات کے صدیوں بعد ان کے نام شجروں میں شامل کر دیئے گئے تاکہ اس طرح سادہ لوح مسلمان ان بزرگوں سے عقیدت کی وجہ سے ان شجروں کو قبول کر لیں۔

پیران متاخرین نے جس مقصد سے یہ شجرے بنائے۔ اس میں انھیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ شجرے بطور تحریر مقدس تلاوت کئے جاتے تھے۔ اور مرنے کے بعد فرشتوں کی رہنمائی کے لئے قبر میں میت کے سینے پر رکھ دیئے جاتے تھے۔ تاکہ فرشتوں کو میت کے سلسلۂ عالیہ میں مرید ہونے کا یقین ہو جائے۔

پیری مریدی کا ارتقاء اور خانقاہوں کے مراسم مبارکہ کی تکمیل تو

Marfat.com

۱۲۵۶ھ میں تباہی بغداد کے بعد کی باتیں ہیں لیکن دین عینیت کے اثرات مسلمانوں میں دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ہی نمایاں ہو چکے تھے۔

دین عینیت کی اتنی قسمیں ہیں کہ ضخیم مجلدات میں بھی ان سب پر بحث مشکل ہی سے ہو سکے گی۔ کہیں سرِ تخلیق یہ بتایا جاتا ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات واحدہ سے اس طرح پھوٹ کر پیدا ہوئی ہے جیسے کسی درخت سے برگ و بار پیدا ہوتے ہیں۔ کسی نے یہ بتایا ہے کہ خدا کے صفات نے مختلف تنزلات سے گزر کر عالم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ کسی نے یہ بتایا ہے کہ:۔

ہر لحظہ بشکل دگر آں یار بر آمد
گہ بچۂ معصوم و گہ پیر و جواں شد
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ
خود بہ سرِ آں کوزہ خریدار بیاید بشکست و رواں شد

اور بعض نے تو الفاظ کا پردہ بھی نوچ کر پھینک دیا۔ صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

نہ مایا ہے نہ کایا ہے ۔ سمسر روپ دکھایا ہے

ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سارے انسان ایک مہا آتما (روح اعظم) سے پھوٹ کر نکلے ہیں اور پھر جب مکتی ہو گی تو سب مہا آتما میں جذب ہو جائیں گے۔ ہمارے بزرگ مولانا روم نے اپنی مثنوی شریف میں یہی نظریہ پیش کیا ہے اور مہا کوی کبیر داس نے بھی یہی کہا ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ یہ سب نظریئے اور افکار مسلمانوں میں ایک دن میں تو نہیں آ گئے ہوں گے۔ آہستہ آہستہ ایک طویل مدت میں یہ افکار مسلمانوں میں ایرانی آتش پرستوں اور یہودی علماء نے پھیلائے اور ان کی تائید کے لئے قرآن مجید کی من مانی تفسیریں کیں، اور جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے۔ اپنے مابعد الطبیعاتی نظریوں کی تائید کے لئے بڑی جرأت کے ساتھ حدیثیں وضع کیں۔ مثلاً من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یا کُنتُ کنزاً مخفیاً، وغیرہ جیسی ہزاروں ہی روائتیں، دین عینیت کے ثبوت کی خاطر وضع کر لی گئی ہیں۔

اس پر مزید بدنصیبی یہ ہوئی کہ عظیم المرتبت بزرگوں کی طرف بہت سی باتیں منسوب کر دی گئیں۔ ہماری عقیدت مندی نے ان باتوں کی تردید سے ہمیں روک دیا۔ نسل پرستی کو زندہ کیا گیا اور پوری قوت کے ساتھ زندہ کیا گیا۔ سیاسی طالع آزمایوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی رشتوں کا واسطہ دے کر حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کئے اور ناکام رہے۔ کون بدنصیب مسلمان ایسا ہو سکتا تھا کہ اولاد رسول سے محبت و عقیدت کا رشتہ قائم نہ رکھتا اور نبوت محمدیہ کے خلاف انتقامی حرکت کرنے والے یہودیوں اور مجوسیوں کے تحالف نے اولاد رسول کی طرف منسوب کر کے موضوع اور جھوٹی روائتیں پھیلائیں اور قرآن مجید کے باطنی معانی بیان کر کے مسلمانوں میں سے اپنے لئے حمایتی مہیا کئے۔ یہ سب کچھ ایک مرتب شدہ دانشمندانہ منصوبہ کے ماتحت بہت بڑی مدت

Marfat.com

میں ہوتا رہا۔ اور دین عجمیت کے عقاید و اعمال مسلمانوں میں پھیلائے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عقیدۂ عجمیت مختلف عنوانوں کے ساتھ مسلمانوں میں راسخ ہو
اب مذہبی پیشوائی کلیتہ دولت و اقتدار کی کمائی کے لئے آسان اور بہتر پیشہ ہو گیا حالانکہ اسلام میں پاپا و پروہت کی کوئی گنجائش نہیں۔ علمائے امت نے ہر زمانہ میں اس کی تردید کی، مگر ان کی کون سنتا۔ اور آج بھی کہاں عقل کی بات سننے کے لئے کوئی تیار ہوتا ہے۔ دنیا کے لاکھوں آدمی اپنے کو مسلمان کہنے کے بعد بھی ایک شخص کو اپنا مرشد مانتے ہیں۔ بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس شخص کا ہاتھ عین خدا کا ہاتھ ہے۔ مسلمان ہی کہلانے والا ایک دوسرا گروہ ہے جو اپنے مرشد کو خالق کائنات کا بروز یعنی اوتار مانتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کا اوتار ماننے والے شام کے علوی اور نصیری تو بغیر کسی تشبیہ و استعارہ کے حضرت علی کو اللہ جل جلالہ مانتے ہیں۔
اس صورت حال میں یہی ہو سکتا تھا اور یہی ہوا کہ دین عبدیت کو دین عجمیت نے دبا لیا اور بالآخر یہ کہہ دیا گیا کہ شریعت اور ہے، طریقت اور، اور خود طریقت ادنیٰ درجہ کی چیز ہے۔ اعلیٰ درجہ کی چیز تو حقیقت ہے۔ اور جب کوئی آدمی حقیقت کو پا لیتا ہے تو تمام تکلیفات شرعیہ اس پر سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور نہ صرف اس کی ذات پر سے تکلیفات اٹھ جاتی ہیں بلکہ اسے اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب چاہے دوسروں پر سے بھی قرآن و سنت کے احکام اٹھا دے اور عملاً یہ ہوا ہے کہ کسی پہنچے

۱۱۶۸۲۱

Marfat.com

نے بہ یک جنبش لب شریعت سے آزادی عطا کر دی۔

برداشت غل شرع ز مخلوق ایزدی

مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

اس طرح شخصیت پرستی کی مسلسل اور انتھک مساعی نے اپنے تمام بزرگوں کی مخلصانہ مساعی کو ناکام بنا دیا جو حقیقتہً اخلاص کے ساتھ انبیاء کے بتائے ہوئے "دین عبدیت" پر قائم تھے لیکن دین عینیت کے بعض امور کی اپنے یقین کے مطابق تاویل کر کے برداشت کر لینے کو بھی راضی تھے۔ پھر ان بزرگوں کے لئے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ لوگ سختی کے ساتھ نسل پرستی شخصیت پرستی اور عینیت کی تردید کر کے جاہل عوام کو لامذہبی کے غار میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ وہی برآمد ہوا جو حق و باطل کے مابین مصالحت کا ہوتا ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں حق و باطل کے مابین مصالحت کی سعی کی جاتی ہے۔ حق کو اپنی جگہ سے ہٹنا پڑتا ہے۔ اور باطل کا ساتھ دینا پڑتا ہے نقصان ہمیشہ حق کا ہوتا ہے اور باطل کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ ہماری تاریخ میں اور ہم سے اگلوں کی تاریخ میں تقریباً سات ہزار سال سے دنیا میں یہی ہو رہا ہے کہ دین عبدیت اور دین عینیت کے مابین کشمکش جاری ہے۔ "دین عبدیت" کے پیرو کار پکار رہے ہیں کہ :۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا

تواں رفت جز در پئے مصطفا

اور اس کے جواب میں اشخاص کی پوجا کرنے والے نصیحت فرماتے ہیں کہ :۔

Marfat.com

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

ہماری تاریخ میں نسل پرستی کو ابتدائے یہودیوں اور آتش پرستوں کی ایک منظم سازش نے داخل کیا ہے۔ اس کے بعد یونانی فلسفہ کے مکتب اسکندریہ نے اوہام اور عینیت کا مسلمانوں سے تعارف کرایا۔ اور پھر ہندوؤں کی ویدانت نے تو اسلامی عقائد کی صورت ہی بدل دی، اگرچہ مخلص مسلمانوں نے پوری شدت کے ساتھ سارے ویدانت کو دین عبدیت کے ماتحت لانے کی کوشش بھی کی لیکن ان کی آواز اس لئے ہمیشہ ناکام ثابت ہوئی کہ یہ لوگ مصلحت کی بنا پر اس کو پوری توضیح کے ساتھ نہیں بیان کر سکے کہ اسلام نے نسلیت کے خلاف آواز اٹھائی اور اس آواز سے یہودیوں اور مجوسیوں کو شدید نقصان پہنچا جس کے انتقام میں یہودی ذہانت اور مجوسی فطانت نے اولاد فاطمہ کی برتری کا سکہ دماغوں پر بٹھا لیا۔ یہودیوں کو یہ معلوم تھا کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بنا پر اولاد فاطمہ سے بہ آسانی وابستہ ہو جائیں گے اور اولاد فاطمہ انسان ہی تو ہیں۔ اقتدار کی تمنائیں ان سے وہ سب کچھ ہو سکتا ہے تو مسلمانوں میں مستقل تفرقے پیدا کر سکے گا۔ اسی طرح دین عینیت کی بہت سی باتیں بزرگان اولاد علیؓ کی طرف منسوب کر کے جاہل مسلمانوں کو قرآن حکیم سے دور کیا جا سکتا ہے۔

یہ ساری باتیں پوری وضاحت کے ساتھ بتانے میں کئی قسم کے خطرات تھے۔ اس لئے بہت کم لوگ یہ ہمت کر سکے اور مسلمانوں میں نسل پرستی

Marfat.com

اور عین ذات کے افکار پوری وسعت کے ساتھ پھیل گئے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عقل انسانی دین عبدیت کے ساتھ ساتھ عینیت کے افکار کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتی اور تصوف "دین عینیت" کے افکار کی فلسفیانہ تعبیر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک صوفی جب کہے گا تو یہی کہے گا۔ ؎

منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے
خود راز انا الحق کا وہی کھول رہا ہے

یا پھر یہ پکارے گا کہ :-

سُبحَانی وَمَا اعظم شَانی،

تاویلیں کرتے رہیئے لیکن عقل انسانی ان باتوں سے قرآن مجید کے توافق کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

ہم اپنے فاضل دوست ثناء الحق صدیقی کی اس چھوٹی سی کتاب تصوف کی حقیقت پر یہ چند سطور لکھتے ہوئے بارگارہ رب العزت میں دعاگو ہیں کہ وہ اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مصنف کو جزائے خیر دے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

عبد القدوس ہاشمی

کراچی ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ
۶ جولائی ۱۹۸۳ء

Marfat.com

حرفے چند

ابتداءً یہ مضمون ایک خاص مقصد کے پیش نظر لکھا گیا تھا۔ بعد میں وہ مقصد ترک کر دیا گیا اور اس کے ترک ہوتے ہی اس مضمون کی اشاعت بھی غیر ضروری سمجھی گئی لیکن بعض احباب کے اصرار پر ناچیز مضمون نگار اس کو منظر عام پر لانے کے لئے مجبور ہوا۔

دو باتیں عرصہ سے دل میں کھٹکتی رہی ہیں۔ اول یہ کہ جب شریعت اسلامیہ مسلمانوں کے لئے مکمل و اکمل ہے تو اس اضافہ کی گنجائش کہاں سے پیدا کر لی گئی۔ اور اس اضافہ کو طریقت یا تصوف کا نام کیوں دیا گیا۔ اگر طریقت یا تصوف اخلاص فی العبادات کا نام ہے تو کیا شریعت میں یہ عنصر شامل نہیں تھا۔ اور اگر تصوف اور احسان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں تو احسان کے لفظ کو چھوڑ کر تصوف کا قطعاً اجنبی لفظ کیوں اختیار کیا گیا۔ صحابہ کرام جو تصوف طریقت اور حقیقت کے الفاظ سے ناآشنا تھے اُن کی عبادات میں اخلاص کیسے پیدا ہوتا تھا۔ دوم یہ کہ اگر آغاز اسلام میں شریعت کے لفظ ہی میں طریقت اور حقیقت کے مفاہیم بھی شامل تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صرف شریعت پر عمل کر کے طریقت اور حقیقت کی منزلوں کو بھی طے کر لیتے تھے تو پھر طریقہ کے سلسلے حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت سلمان فارسیؓ ہی سے کیوں چلے۔ دیگر صحابہ سے کیوں نہیں اس لئے کہ اخلاص فی العبادات کی صفت تو تمام صحابہ میں مشترک تھی۔

Marfat.com

بہرحال اس مضمون کو تحریر کرنے میں ان تشکوک نے بھی سہارا دیا اور اس طرح ایک کتابچہ منصۂ شہود پر آگیا لیکن اس کی اشاعت کے بعد بعض احباب نے اس کے مختصر ہونے پر شکوہ سنجی شروع کر دی مجبوراً مضمون کے دامن کو پھیلانا پڑا اور تصوف کے بعض ان گوشوں پر بھی روشنی ڈالنا پڑی جن کو شروع میں طوالت کے خوف سے ترک کر دیا گیا تھا۔ اور اگرچہ ایجاز و اختصار کے خیال سے اس وقت بھی تفصیلات میں جانے سے گریز کیا گیا ہے۔ تاہم اب یہ مضمون پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے اور کتابچہ نے ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مؤلف کو توقع ہے کہ اس صورت میں قارئین اس کو زیادہ مفید پائیں گے۔

یہ نظر ثانی اور اضافہ شدہ ایڈیشن ادارۂ دانش و حکمت سے شائع کر رہا ہے۔

مؤلف محترم و مکرم عالم اجل و فاضل بے بدل متعدد فقہی مسلکوں بشمول فقہ جعفریہ کے ماہر ڈائریکٹر موتمر عالم اسلامی جناب عبدالقدوس ہاشمی ندوی مدظلہ العالی کا بصمیم قلب ممنون و متشکر ہے کہ موصوف نے کتاب ہذا پر ایک گرانقدر پیش لفظ لکھ کر اس کی ہمت افزائی کی اور کتاب کی افادیت میں بیش بہا اضافہ کر دیا۔ فجزاہم اللہ خیرالجزاء۔

مؤلف

Marfat.com

تصوف کی حقیقت

ہچنسن کی مختصر انسائیکلو پیڈیا میں تصوف سے متعلق حسب ذیل اندراج دکھائی دیتا ہے:۔

تصوف (MYSTICISM) مذہبی عقیدہ کا ایک ایسا طریقہ ہے۔ جس کا انحصار ذات خداوندی کے حق ہونے کے متعلق ذاتی روحانی مشاہدہ اور تجربہ پر ہے۔ یہ عقیدہ کسی خیال یا دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ تصوف کا عنصر دنیا کے تمام اعلیٰ مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اس میں خواہ ہندو مذہب ہو یا بدھ مت خواہ یہودیت، خواہ اسلام اور خواہ نصرانیت۔ مغرب میں تصوف کو نو اشراقیت نے روشناس کرایا۔ یہ نو اشراقیت بذات خود بڑی حد تک مشرقی فلسفہ سے متاثر تھی اس نے عیسوی تصوف کی ترقی میں مدد دی۔ تصوف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ایسے ادوار میں پھلتا پھولتا ہے۔ جب کوئی تمدن کسی بڑے

Marfat.com

بحران سے دوچار ہوتا ہے۔ تصوف نے کبھی کبھی الحاد کی شکل
بھی اختیار کر لی لیکن اکثر مخالف اصلاح تحریک نے تصوف
کو جنم دیا۔"

اس مختصر نوٹ کا تجزیہ کرنے سے کئی نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) تصوف کا تعلق ذاتی و روحانی مشاہدہ اور تجربہ سے ہے جس کو مشاہدۂ حق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

(۲) تصوف کا مقصد حقیقت کی معرفت ہے۔

(۳) اسلام کے علاوہ دوسرے اعلیٰ مذاہب میں بھی تصوف پایا جاتا ہے۔

(۴) مغربی تصوف نو اشراقیت سے ماخوذ ہے۔

(۵) نو اشراقیت بذات خود مشرقی فکر و فلسفہ سے متاثر ہے۔

(۶) تصوف ان ادوار میں زیادہ پھلتا پھولتا ہے جب کوئی تمدن کسی بحران سے دوچار ہوتا ہے۔

(۷) تصوف میں بعض اوقات غلط باتیں شامل ہو جاتی ہیں جن سے وہ الحاد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ان نکات کو پیش نظر رکھ کر یہ جائزہ لینا مناسب ہوگا کہ اسلام میں تصوف کیسے داخل ہوا۔ اس نے یہ نام کیسے اختیار کیا۔ کیا تصوف کلیتہً شریعت کے تابع رہا یا اس پر بھی مغربی تصوف کی طرح کچھ بیرونی اثرات پڑے۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ تصوف کا تعلق بنیادی طور پر وجدان اور

Marfat.com

روحانیت سے ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کا اس طریقہ کو اپنانا ایک قدرتی امر تھا اس لئے کہ اگرچہ اسلام میں دین و دنیا کی روحانیت و مادیت کی اور جسم و جان کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے۔ جس میں یہ بظاہر متضاد عناصر ایک دوسرے میں ضم ہوکر وحدت کی شکل اختیار کر گئے ہیں تاہم یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ زندگی میں علویت اور نفاست پیدا کرنے کے لئے اسلام دنیا کو دین کے۔ مادیت کو روحانیت کے اور جسم کو جان کے تابع کرنا چاہتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کو کچھ اس طرح مرتب و منظم کیا جائے جس سے دنیا نہ صرف دین سے علیٰحدہ نہ رہے۔ بلکہ کلیتہً دین کے رنگ میں رنگ جائے۔ اسی کو قرآن میں "صبغتہ اللہ" کہا گیا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان انفرادی طور پر اپنے افکار، اعمال اور کردار کی تطہیر کرے۔ یہی منشاء الٰہی ہے اور اسی کے لئے اہلِ بیتِ رسول کو کہا گیا ہے۔

اِنما یُرِیدُ اللہ لِیذھِب عَنکُمُ الرجسَ اھل البیتِ وَیُطھرکم۔ تطھیرا۔ لیکن اس منزل پر پہنچنے کے لئے شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اے نبی کی بیویو! اگر تم اپنے مقام کو سمجھو تو (یاد رکھو کہ) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ پس تم چبا کر (یعنی ناز و نخرے کے ساتھ) بات نہ کیا کرو۔ تا ایسا نہ ہو کہ جس کے دل میں مرض ہے وہ تمہارے متعلق کوئی بد ارادہ کرے۔

Marfat.com

اور ہمیشہ لوگوں کو نیک بات کہا کرو اور اپنے گھروں میں
بیٹھی رہا کرو۔ اور پہلے زمانہ کی جاہلیت کے طریقوں کی طرح
اپنی زینت (غیر لوگوں پر) ظاہر نہ کیا کرو اور نماز کو (شرائط
کے ساتھ) ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اور (اللہ) اور اس کے
رسول کی اطاعت کیا کرو۔ اے اہل بیت! اللہ تم میں سے
ہر قسم کی گندگی دور کرنا اور تم کو کامل طور پر پاک کرنا چاہتا ہے۔
اور جو کچھ تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کی
باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے اس کو یاد رکھو اللہ بہت مہربانی
کرنے والا (اور) خبر رکھنے والا ہے"

اگرچہ ان آیاتِ کریمہ میں تخاطب ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان ہی کو شریعت پر پوری طرح عمل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن ویسے تو جملہ مومنین کے لئے بھی تطہیر کا واحد ذریعہ شریعت کے مقررہ اصولوں کی پابندی ہی ہے۔ یہی لفظ تطہیر تصوف میں پہنچ کر تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہی قدر مشترک ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے بہت جلد تصوف کو اپنا لیا لیکن بعد میں بعض ایسی الجھنیں پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے کچھ حضرات نے اس پر اعتراضات کئے اور اس کو باہر سے درآمد شدہ ایک شئے قرار دیا جن چیزوں پر خصوصیت سے اعتراضات کئے گئے ان میں سب سے پہلی شئے تو اس کا نام ہے پھر طریقت و حقیقت کے الفاظ ہیں جن کو شریعت کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اور بعض حضرات ان کو شریعت سے بلند مقام دے کر کھلم کھلا شریعت کا استخفاف کرتے ہیں۔ اس کے بعد توحید وجودی یا وحدت الوجود کا نظریہ ہے جس کا شریعت میں کہیں سراغ نہیں ملتا لیکن تصوف میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان امور کو سمجھنے کے لیے دین اسلام اور تصوف کی مختصر تاریخ بیان کردی جائے تو مناسب ہوگا۔

دین اسلام کا مقصود اصلی شریعت کی پابندی کرانا اور اس کے ذریعہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی منزل تک پہنچانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان مومنوں پر اس طرح جتایا ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج

اور چونکہ ہر مومن اور مسلمان کے پیش نظر یہی مقصد ہوتا تھا اس لیے شروع میں کسی طبقہ نے بھی اپنے لیے کوئی امتیازی نام یا لقب اختیار نہیں کیا۔ اسلام اور ایمان، مسلم اور مومن سے بڑھ کر کوئی دوسرا لفظ اُن کے لئے فخر و افتخار کا موجب نہیں تھا۔ جن خوش قسمتوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور صحبت نصیب ہوگئی ان کو دنیا نے صحابہ کا لقب دیا جو قیامت تک ان کے لئے مایۂ ناز رہے گا۔ پھر اُن کے صحبت یافتہ لوگوں کی جماعت آئی وہ تابعین کے معزز لقب سے یاد کی گئی۔ اُس کے بعد تابعین سے فیض پانے والے تبع تابعین کہلائے۔ حضرت امام مالکؒ جو تبع تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور ان کے شاگرد حضرت امام شافعیؒ

Marfat.com

کا سن وفات ۳۰۴ھ تھا۔ وہ یا اُن کے اور ساتھیوں میں سے کوئی بھی صوفی کے لقب سے یاد نہیں کیا گیا۔ ڈاکٹر میر ولی الدین کا کہنا ہے کہ :

امام قشیری کی تحقیق کی رو سے لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جس لقب سے اُس زمانہ کے افاضل یاد کئے جاتے تھے وہ صحابی تھا کسی دوسرے لقب کی انہیں ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ صحابیت سے بہتر کوئی فضیلت نہ تھی جن بزرگوں نے صحابہ کی صحبت اختیار کی تھی وہ اپنے زمانہ میں تابعین کہلائے اور تابعین کے فیض یافتہ حضرات اپنے زمانہ میں اتباع تابعین کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد زمانہ کا رنگ بدلا اور لوگوں کے احوال و مراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا جن خوش بختوں کی توجہ دینی امور کی جانب زیادہ تھی ان کو زہاد و عباد کے ناموں سے یاد کیا گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد بدعات کا ظہور ہونے لگا اور ہر فریق نے اپنے زہد کا دعویٰ شروع کیا۔ زمانہ کا یہ رنگ دیکھ کر جو اخص اہل سنت تھے جو اپنے قلوب کو حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے تھے اور جو اپنے نفوس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب رکھتے تھے ابنائے زمانہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اُن کو صوفیہ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔"

ے بیان میں دو باتیں توجہ طلب ہیں۔

Marfat.com

(ز) ابنائے زمانہ سے علیٰحدگی اختیار کرلی۔

(زز) ان ہی کو صوفیہ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی فریق کے زہد کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے خواص اہل سنت کو ابنائے زمانہ سے علیٰحدگی اختیار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کیا یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کے تحت کیا گیا یا کسی بیرونی اثر کے تحت۔ غور کیجئے تو اسلام میں اس کے لئے کوئی جواز نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ اسلام فرار کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ سکھاتا ہے کہ اگر معاشرہ میں کوئی بگاڑ دیکھو تو اس کی اصلاح کی کوشش کرو خواہ کامیابی ہو یا نہ ہو پھر ہم جب دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے لئے سب سے پہلے یہ لقب استعمال کیا گیا وہ اسلامی دنیا میں اقل قلیل کا درجہ رکھتے ہیں اور اپنے زمانہ میں دینی اعتبار سے وہ کوئی بلند مقام نہیں رکھتے تھے تو پھر شبہ ہونے لگتا ہے کہ یہ سبق انھوں نے کہیں اور سے تو نہیں سیکھا۔
اب زہاد وبر ادل کے چند صوفیوں کے حالات ابن الندیم صاحب الفہرست کی زبانِ قلم سے سُن لیجئے تاکہ اُن کے رتبۂ عالی کا کچھ اندازہ ہو جائے یہاں صرف ان حضرات کا ذکر کیا جارہا ہے جن کو ابن ندیم نے صوفی کے لقب سے یاد کیا ہے یا صوفیہ کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔

(۱) یمانیؒ

عمر بن محمد بن عبد الحکم۔ ابو حفص کنیت تھی۔ زہاد اور صوفیہ کے زمرہ میں شامل تھا۔ کتاب، قیام اللیل والتہجد اُس کی تصنیف ہے۔

Marfat.com

حافظ نے دیا ہے۔ ابن الندیم کے نزدیک
بھی تذکرہ نہیں کیا گیا۔

(۲) سہل تستری

امام شعبیؒ۔ مالک بن دینارؒ
سہل بن عبداللہ بن یونس بن عیسیٰ بن عبداللہ بن ... بن عیاضؒ کا تعلق
۲۷۳ھ میں فوت ہوا تصنیفات یہ ہیں کتاب دقائق المحبین، کتاب ... امل کیا ہے اور
العارفین وغیرہ۔

(۳) فتح موصلی

یہ اصلاً مملوک تھا، زاہد اور صوفی منش تھا۔ اس کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چل سکا۔ البتہ اس کا کلام لوگوں کو یاد ہے اور اس کے الفاظ دلوں میں نقش ہیں۔

(۴) ابو حمزہ صوفی

اس کا نام محمد ابراہیم ہے اور تصنیفات یہ ہیں:

کتاب المنتمین من السیاح والعباد والمتصوفین۔ یہ کتاب اس سے گروہ صوفیہ کے ایک شخص ابو الحسن احمد بن محمد دینوری نے روایت کی۔ اس کی دیگر تصنیفات یہ ہیں کتاب الابدال، کتاب مواطن العباد

(۵) جنید

جنید بن محمد بن جنید، یہ شخص اس جنید کی اولاد سے نہیں ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کا شمار تیسری صدی ہجری کے بعد کے متکلمین صوفیا میں ہوتا ہے اس کی تصنیفات یہ ہیں۔ کتاب امثال القرآن، کتاب رسائل جو .... پر مشتمل ہے۔

طبقہ صوفیہ میں ان حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد ابن الندیم کیمیا گروں کے طبقہ میں دو اور صوفیوں کا ذکر کرتا ہے۔

Marfat.com

ہونے دیتے تھے اور جو اپنے نفوس کو خشیتِ الہٰی سے مغلوب رکھتے تھے ابنائے زمانہ سے علیٰحدگی اختیار کر لی اور ان ہی کو صوفیہ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔"

کیا اس بیان سے یہ سمجھ لینا غلط ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۵۰ھ) امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ)۔ امام محمد شیبانیؒ۔ امام زفرؒ سے بدعات کا ظہور ہوتے دیکھ کر سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی المعروف بہ صوفی (موجود ۱۵۰ھ) نے صوفیت کے دامن میں پناہ لی۔ پھر امام مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) اور امام شافعی (ف ۲۰۴ھ) کا یہی رنگ دیکھ کر جابر بن حیان نے (ف ۲۰۱ھ) کیمیاگری کے فن کے ساتھ ساتھ صوفیت کو اپنایا اور پھر امام احمد بن حنبل (ف ۲۴۱ھ) امام بخاریؒ۔ امام مسلمؒ۔ امام ابو داودؒ امام اوزاعیؒ فضیل بن عیاضؒ۔ امام شعبیؒ وغیرہم کے کچھ ایسے ہی طرزِ عمل سے بددل اور بیزار ہو کر عبدک الصوفی (ف ۲۱۰ھ) حارث محاسبی (ف ۲۴۱ھ) ذوالنون مصری (ف ۲۴۰ھ) سہل تستری، فتح موصلی، ابوحمزہ صوفی نے بھی ابنائے زمانہ سے علیٰحدگی اختیار کی اور اس لئے وہ صوفی کے لقب سے یاد کئے گئے یا صوفیہ کے زمرہ میں شامل کئے گئے۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان حضرات کو صوفی کے لقب سے کیوں یاد کیا گیا۔ اس لفظ کا مادہ کیا ہے اور کیا یہ باہر سے درآمد شدہ کوئی شے تو نہیں ہے؟

محققین نے کاوش کر کے تصوف کے کئی مادے تلاش کئے ہیں جیسے صفا، صوف، صف، صفہ وغیرہ لیکن ناقدین نے علم صرف کے بعض اصولوں کی

Marfat.com

روشنی میں ان سب کو مشتبہ قرار دیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگرچہ اِن میں سے ہر بات کی جھلک صوفی کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ اس میں صفائے باطن کا وصف بھی ہوتا ہے۔ وہ صوف (اون) کا موٹا جھوٹا لباس بھی پہنتا ہے۔ وہ حضورِ حق میں اپنے قلب کے ساتھ صفِ اول میں حاضر ہوتا ہے اور اصحاب صفہ کی طرح وہ سب سے الگ تھلگ رہ کر عبادت و ریاضت بھی کرتا ہے لیکن جہاں تک لفظ "صوفی" کے اشتقاق کا تعلق ہے وہ کسی قاعدے سے بھی اِن الفاظ میں سے کسی سے مشتق نہیں ہو سکتا۔

چونکہ صرفی اعتبار سے لفظ "صوف" کو کلیتہً مسترد نہیں کیا جا سکتا اور اس کو صوفی اور تصوف کا مادہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے اسی پر اتفاق کیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ چونکہ بعض انبیاء اور اولیاء نے صوف کا لباس پہنا تھا ان ہی کے تتبع میں شروع کے صوفیوں نے صوف کا لباس پہننا شروع کر دیا اور اس بنا پر وہ صوفی مشہور ہوئے۔ بظاہر یہ وضع انہوں نے اللہ کی محبت میں اختیار کی تھی لیکن غور سے دیکھئے تو اللہ کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی کر رہے تھے۔ اس لئے کہ باری تعالےٰ نے اپنی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کو صاف لفظوں میں ہدایت کی ہے کہ وہ صرف اور صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں۔ اس راہ میں کسی اور ہستی کا اتباع معتبر نہیں۔ ارشاد

Marfat.com

خداوندی ملاحظہ ہو۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

(ترجمہ) اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

لہٰذا اس نظریہ کی حمایت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دلائل و شواہد کی بنا پر یہ ثابت کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بالالتزام صوف کا لباس پہنتے تھے اور صحابہ کرام جنھوں نے سب سے زیادہ آپ کا اتباع کیا وہ بھی اس پر پوری طرح عامل رہے اگر یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی تو پھر اللہ کی محبت کا دم بھرنے والے یہ لوگ کیسے تھے جنھوں نے اللہ کے حکم اور وعدہ کو فراموش کرکے اپنے وہم کی بنیاد پر بعض دوسرے انبیاء اور اولیاء کا اتباع اس حد تک کیا کہ نہ صرف صوف کا لباس پہننا اختیار کیا بلکہ اس کو اپنا امتیازی نشان قرار دے کر اللہ کے پسندیدہ لفظ "اسلام" کو ترک کیا۔ اور اپنے مسلک کو "تصوف" کا نام دیا۔ آخر اسلام کے لفظ سے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔

Marfat.com

(ترجمہ) "آج کے دن میں نے تمہارے لیئے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے۔ اور تمہارے لیئے دین اسلام کو پسند کیا ہے"۔ کیا یہی اللہ تعالےٰ کی محبت ہے کہ اُس کی نعمت کو ٹھکرا دیا جائے۔ اور اس کے پسندیدہ دین کو چھوڑ کر ایک نیا مسلک اختیار کیا جائے اور اس مسلک کے لیئے نام بھی اپنی پسند کا رکھا جائے۔

بعض محققین صوفیائے کرام کے طرز زندگی میں اصحاب صفہ کی کچھ جھلک دیکھ کر اور اس لفظ میں صوفی اور تصوف کے الفاظ سے کسی قدر مشابہت پاکر اس جانب مائل ہوئے کہ تصوف کو لفظ صفہ سے مشتق قرار دیں۔ لیکن یہاں یہ الجھن پیدا ہو جاتی ہے کہ صوفیہ کے تمام سلسلوں میں اصحاب صفہ میں سے کوئی ایک بھی شامل نہیں ہے۔ اپنے مسلک کو صحیح قرار دینے کے لیئے طبقۂ صحابہ میں سے جن تین حضرات یعنی حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت سلمان فارسیؓ کو اہل تصوف نے اپنے سلسلوں کا بانی قرار دیا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی تعلق اصحاب صفہ سے نہ تھا۔ اگر حضرت ابو دجانہ انصاری یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو بھی ان سلسلوں میں شامل کر لیا جاتا۔ تو ایک طرف لفظ کی کسی قدر مشابہت اور دوسری جانب اصحاب صفہ کی مال دنیا سے محرومی کے سبب صحابہ سے مماثلت تصوف کو اصحاب صفہ کا ہی سلسلہ سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی اور اس دعوےٰ میں بھی زور پیدا ہو جاتا

Marfat.com

کہ تصوف عین اسلام ہے اور اس کا نام بھی کہیں باہر سے آیا ہوا نہیں ہے بلکہ قرون اوّل کے مسلمانوں کی ہی ایک جماعت کا امتیازی نشان ہے۔ لیکن معلوم کس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا صفہ کو تصوف کا مادہ قرار دینا ممکن نہ رہا۔

علامہ ابن جوزیؒ کی تحقیق اس معاملہ میں سب سے منفرد ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"ابو محمد عبدالغنی بن الحافظ نے کہا کہ ولید بن قاسم سے پوچھا کہ یہ صوفی کیا نسبت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم تھی جن کو صوفیہ کہتے تھے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے الگ ہو گئے تھے۔ اور کعبہ میں وطن کر لیا تھا تو جو کوئی ان سے مشابہ ہوا وہ صوفیہ ہے۔ عبدالغنی نے کہا کہ ایسے لوگ معروف بہ صوفہ یعنی صوفہ کی طرف منسوب ہیں جو تمیم بن مر کے بھائی غوث بن مرّ کا فرزند تھا۔ زبیر بن بکار نے کہ عرفہ سے لوگوں کو حج کی اجازت دینا غوث بن مرّ بن ادبن طانجہ کے حوالے تھی۔ پھر اس کے فرزندیں رہی اس کو لوگ صوفہ کہتے اور جب اجازت کا وقت آتا تو عرب کہتے کہ اے صوفہ آپ نے اجازت دے دی۔" (تلبیس ابلیس)

تاریخی اعتبار سے اس روایت کی صحت یا عدم صحت کا پتہ نہیں چلتا۔

Marfat.com

تاہم یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے ایک فرد یا ایک قوم سے مسلمان خود کو نسبت دیں اور اگر اس قسم کی نسبت میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا جائے تو پھر اس سے زیادہ قرین صحت نسبت یونان کے لفظ سو فوس (مرد دانا) سے معلوم ہوتی ہے۔

ایف۔ ایس۔ مارون نے اپنی گراں قدر تالیف "دی لیونگ پاسٹ" میں لکھا ہے:-

> "سو فوس (مرد دانا) جیسا کہ نئی طرز کے اس ہیرو کو ابتداً کہا جاتا تھا اپنے ساتھیوں میں بہ اعتبار ذہانت و ذکاوت نہایت بلند مرتبہ پر فائز ہوتا تھا۔ وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو نہایت آزادی سے اپنی گرد و نواح کی دنیا کی اشیاء کے معارف و حقائق پر مرکوز کرتا جس میں دوسروں کی رہبری ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس میں کسی روایت یا سند کی بھی پابندی لازمی نہیں تھی۔ اس کے لئے وہ شخص اپنی علمیت کو مفاد عامہ کے کام میں لانے کا خواہشمند رہتا تھا۔"

ممکن ہے نو اشراقیت کے زیر اثر اسی لفظ سو فوس نے مسلمانوں میں ...

نو اشراقیت کا بانی عموماً فلاطینس (۲۰۵ تا ۲۷۰ء) کو سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس فلسفہ کی اشاعت میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اس لئے ایسا سمجھنا بے جا بھی نہیں۔ تاہم نو اشراقیت کی ابتداء فلاطینس کے ہاتھوں نہیں ہوئی بلکہ اس فلسفہ کا بانی امانوس ساکاس تھا۔ جو ابتداً اسکندریہ میں حمالی کرتا تھا۔

Marfat.com

میں داخل ہو کر اور مقبولیت حاصل کر کے مقدس و متبرک لفظ کا ر
اختیار کر لیا ہو اور پھر اسی سے دوسرے مشتقات یعنی تصوف، صوفیا
صوفیہ وغیرہ وجود میں آئے ہوں۔ اسی لفظ سوفوس سے انگریزی زبان کے
کئی الفاظ بنے جیسے سوفیا، فلاسفی، فلاسفر وغیرہ اور اسی نے عربی کے الفا
فلسفہ، فلسوف اور تفلسف کو جنم دیا۔ انگریزی لفظ سوفیا کے لغوی معنی
حکمت روحانی ہیں۔ تصوف کا مفہوم بھی حکمت یا حکمت روحانی ہے۔ چنا
تصوف کا گہرا مذاق رکھنے والے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ قرآن میں علم
کے دو الفاظ ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے علم کا لفظ
شرعیہ کے لیے اور حکمت کا لفظ تصوف کے لیے مخصوص ہے۔ مفہوم
اشتراک سے اس قیاس کو اور بھی تقویت ہوتی ہے کہ لفظ صوفی ا...

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳)
بعد میں ایک مشہور و معروف فلسفی ہو گیا۔ اس کا دور تیسری صدی کا
نصف حصہ تھا۔ اس کے مخصوص شاگرد فلاطینس، لونگینس
اور گین تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے افلاطون اور ارسطو کے اصولوں
ضابطوں میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ا
سب سے مشہور شاگرد فلاطینس، نسباً رومی تھا۔ لیکن مصر
پیدا ہوا۔ اسی لئے مصری سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اسکندریہ میں
ساکاس کی شاگردی میں رہ کر تعلیم پائی۔ ۲۴۴ء سے فلسفہ کے موضوع پر
لیکچر دینے شروع کر دیئے اور اس طرح اس کے ہاتھوں تو اشراقیت کی
اشاعت ہوئی۔

Marfat.com

صوف یونانی زبان کے لفظ سوفوس سے مشتق ہے۔
اس قیاس کی ایک بنیاد اور بھی ہے اور وہ یہ کہ امام قشیری کی تحقیق کے بموجب لفظ صوفی سنہ ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ اور اس وقت تک فرقہ کے دو افراد کے ناموں کے ساتھ یہ لقب استعمال کیا گیا ایک مشہور کیمیا داں جابر ابن حیان کے اور دوسرا ابو ہاشم کے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے آرٹیکل کے مطابق لفظ صوفی کی جمع صوفیہ سنہ ۱۹۹ھ میں اسکندریہ میں ایک شورش کے زمانہ میں سننے میں آئی۔ اور محاسبی اور جاحظ کے بقول اسی کے لگ بھگ لفظ صوفیہ مسلمان صوفیوں کے ایک مکتب کے لئے من حیث الجماعت استعمال ہوا یہ مکتب اصل میں نیم شیعی تھا۔ کوفہ میں واقع تھا اور اس کا سربراہ ایک شخص عبدک الصوفی تھا جو سبزی خوری کی حمایت کرتا تھا اس کا انتقال سنہ ۲۱۰ھ میں بغداد میں ہوا۔
واقعات کی کڑیاں ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس لفظ کو مسلمانوں نے مامون الرشید عباسی (سنہ ۱۹۸ھ تا سنہ ۲۱۸ھ) کے زمانہ میں اپنانا شروع کیا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب یونانی علوم و فنون مسلمانوں میں داخل ہو رہے تھے۔ پھر یہ کہ صوفی اور صوفیہ کے الفاظ شروع میں صرف دو جگہ استعمال ہوتے دکھائی دیتے ہیں ایک مصر کے شہر اسکندریہ میں جو فلسفہ نو اشراقیت کا مرکز تھا۔ دوسرے عراق کے شہر کوفہ میں جہاں ان لوگوں نے ان الفاظ کو اختیار کیا جو دینداری سے زیادہ یونانی علوم کی ترویج و اشاعت اور کیمیا دانی کی طرف مائل تھے۔

Marfat.com

جیسا کہ صدر میں کہا گیا ہے بعض محققین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تصوف کا مادہ "صوف" کو قرار دینا چاہیئے اس لیئے کہ بعض مسلمان تارک الدنیا حضرات نے عیسائی راہبوں کی تقلید میں سفید اونی لباس پہننا شروع کیا صوف (اُون) کے اس لباس کی نسبت سے لوگوں نے ان کو صوفی کہنا شروع کر دیا۔ علامہ ابن خلدون نے اس لفظ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"اسی طرح اگر کہا جائے کہ صوفیہ، صوف (اُون) پوش تھے اور یوں ان کو صوفیہ کہا جاتا تھا تو یہ بات بھی اپنے اندر واقعیت نہیں رکھتی کیونکہ اُون صوفیہ ہی نے نہیں پہنا کہ یہ ان کی صفت امتیازی ٹھہرتی۔ مگر میرا جہاں تک خیال ہے اگر اس لفظ کو صوف سے مشتق مانا جائے تو اس کا اس طرف اشارہ ہوگا کہ صوفیہ نے دنیاداروں کی طرح زرق برق لباس سے اجتناب کر کے ان کے مقابلہ میں اپنا مخصوص لباس صوف یا موٹا جھوٹا لباس اختیار کیا تھا۔ اور یہی لباس ان کے لئے امر فارق ہو گیا تھا اور طرہ امتیاز"

(مقدمہ ابن خلدون)

بہر حال لفظ تصوف کا مادہ خواہ سوفوس کو مانیں یا صوف کو اگر یہ لفظ ان زہاد و عباد کے لیئے استعمال کیا جائے جن کی زندگیاں بالکلیہ شریعت کے تابع تھیں تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر جب اس میں غیر اسلامی عناصر کی آمیزش شروع کر دی جائے، طریقت کو شریعت سے نہ

Marfat.com

صرف الگ ایک چیز کہا جانے لگے اور طریقت کا لفظ وضع کر کے اس کی برتری کو تسلیم کرایا جائے اور شریعت کا استخفاف شروع کر دیا جائے تو پھر کون شخص تصوف کو خالص اسلامی چیز کہنے پر تیار ہو جائے گا۔ مثلاً حسین ابن منصور حلاج کو بحر معرفت کا غواص بتانے کے لئے ایک صاحب فرماتے ہیں :۔

اس زمانہ میں تصوف علم الوہیت سے بہرہ ور ہو کر ملائے کے مقررہ ضوابط سے بے نیاز نہیں ہوا تھا۔ بہت سے صوفی روحانی بلندی ناپنے کے لئے اپنی زندگیوں کو صرف اس مقصد کے لئے وقف کر چکے تھے ......
منصور کا لگایا ہوا پودا بار آور ہوا اور فرقہ تصوف شریعت سے بالکل الگ ہو گیا اور قیود و رسوم کو توڑ کر عرفان حاصل کرنے کے لئے بالکل علیحدہ اصول منضبط کئے اور انا الحق کے الفاظ کی بجائے فنافی اللہ کو اختیار کیا گیا۔ جو بالکل انا الحق کے مترادف ہے۔ اور سلسلہ تصوف اسی ایک لفظ پر راسخ تر ہوتا چلا گیا

(ماہنامہ عالمگیر سالانہ نمبر ۱۹۳۶ء)

یا خواجہ حسن بصری ؒ کے علمی مقام کو متعین کرنے کے لئے ایک نہایت مستند تصنیف میں یہ الفاظ لکھے گئے :۔

"گو حسن بصری علوم ظاہری میں بھی شیخ الاسلام کا

Marfat.com

درجہ رکھتے تھے لیکن یہ علوم ان کے سرمایۂ فخر و امتیاز
نہ تھے۔ اُن کا اصل اور حقیقی مقام عرفان و حقیقت
کا کنگرہ تھا، جہاں فقہا کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی"۔

ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد یہ باور کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے شروع ہی سے تصوف کو شریعت سے الگ ایک چیز سمجھا اور اس کے مقام کو شریعت سے بلند و برتر خیال کیا اور آجکل بھی اکثر حضرات کا یہی نظریہ اور عقیدہ ہے۔

یہاں یہ بات جتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ اگرچہ صوفی اور صوفیا کے القاب سب سے پہلے بعض شیعی حضرات اور شیعی یا نیم شیعی اداروں نے اختیار کئے اور ان کے مراکز کوفہ اور اسکندریہ اور بعد میں بصرہ میں قائم ہوئے لیکن تصوف کی مخالفت بھی سب سے پہلے شیعوں اور خارجیوں نے کی اس لئے کہ صوفیوں کی ایک خاص قسم کی زندگی سے ان کے مسلک پر ضرب پڑتی تھی سنی فرقوں کی طرف سے متفقہ طور پر کوئی مخالفت نہ ہوئی صرف حضرت امام احمد بن حنبل اور اُن کے متبعین اس تحریک کے مخالف رہے اور انہوں نے اس کو زندقہ کی ایک قسم قرار دیا ان کے علاوہ فرقہ معتزلہ اور فرقہ ظاہری نے بھی اس کو لغو کہا۔

جہاں تک کہ ایک معتدل قسم کے تصوف کا تعلق ہے سنیوں کا سواد اعظم ہمیشہ سے اس کا حامی رہا اور آج بھی ہے چنانچہ ابن ابی الدنیا، ابو طالب مکی اور امام غزالی کی بعض باتوں پر ابن جوزی، ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے

Marfat.com

اعتراضات ضرور کیے لیکن وہ ان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو مانتے اور ان کا احترام کرتے رہے البتہ محی الدین ابن عربی کے نظریہ توحید وجودی کی امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے پوری شدت سے مخالفت کی۔

اگرچہ تصوف کی ہلکی ہلکی لہریں ہمیں تیسری صدی ہجری کے اوائل میں دکھائی دیتی ہیں لیکن پچاس سال کی قلیل مدت میں اس میں بہت تیزی پیدا ہو گئی اس کی ترقی اتنی ہی محیر العقول ہے جتنی اسلام کی ترقی واشاعت ایک صدی کے اندر اندر اس نے ملت مسلمہ کے ایک بڑے حصہ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ تصوف ہر مذہب اور ہر قوم میں مقبول رہا ہے اس لئے دوسرے مذاہب نے اپنے گنجینۂ تصوف میں جو سرمایہ اس وقت تک جمع کیا تھا مسلمانوں نے اس سے اخذ و اقتباس شروع کر دیا اس طرح دوسری قوموں کے افکار و خیالات اسلامی تصوف کا جزو بنتے چلے گئے بہت سے فلسفیانہ خیالات بھی اس میں شامل ہو گئے اور تصوف "اخلاص فی العبادات" بننے کے بجائے فلسفہ کی شکل اختیار کر گیا۔ چوتھی صدی سے یونانی فلسفہ نے زور پکڑا جس کی وجہ سے روح کے غیر مادی ہونے کی بحث کے سلسلہ کی بہت سی اصطلاحیں تصوف میں داخل ہو گئیں بعد میں ان اصطلاحوں نے ارسطو کی الٰہیات اور افلاطون کی تصوریت کی آمیزش سے نئی نئی شکلیں اختیار کر لیں جنھوں نے زمانہ مابعد کے تصوف اور اسلامی معاشرہ پر کافی اثر ڈالا۔

تصوف کے تصورات اور اس کی اصطلاحوں میں جس تیزی سے اضافہ ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بقول علامہ ابن جوزیؒ

Marfat.com

"عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے صوفیہ کے لئے کتاب الرسالہ لکھی جس میں عجیب عجیب باتیں بیان کیں۔ فنا و بقا، قبض و بسط، وقت و حال، وجد و وجود، جمع و تفرقہ صحو و سکر، ذوق و شوق، اثبات و تجلی، محاضرہ و مکاشفہ، لوائح طوالع، لوامع، تکوین و تمکین۔ شریعت و حقیقت وغیرہ میں کلام کیا جس کی کچھ حقیقت نہیں اور سراسر تخلیط ہے۔ پھر ان کی تفسیر جو اس شخص نے کی وہ زیادہ تعجب خیز ہے محمد بن طاہر مقدسی نے صفوۃ التصوف تصنیف کی۔ اس میں ایسی چیزیں بیان کیں جن کا ذکر کرنے سے اہل عقل کو حیا آتی ہے۔"

آئندہ صدیوں میں جب توحید وجودی کا نظریہ تصوف کی بنیاد بن گیا تو فلسفہ کی بعض اور اصطلاحیں بھی اپنائی گئیں اور اُن کو تقدس کا جامہ پہنا دیا گیا۔ جیسے تنزلات و تعینات۔ واجب الوجود، ممکن الوجود۔ احاطہ بسریان لطائف۔ تجدد امثال۔ اعیان ثابتہ سیور اربعہ۔ عروج و نزول وغیرہ خود توحید وجودی کا نظریہ نہایت انقلاب آفریں ثابت ہوا اس نے اسلامی تفکر کو بدل دیا۔ ممکن ہے ابتداءً اس کا وہ تصور نہ ہو جو بعد میں سمجھا گیا لیکن آگے چل کر تو اس نظریہ نے پوری طرح زندقہ کی شکل اختیار کر لی اور دوسری قوموں نے حلول کا جو تصور قائم کر رکھا تھا وہی مسلمانوں نے اپنا لیا۔ اور اس سے جو مفسدہ دنیائے اسلام میں پیدا ہوا اس سے ادب اور شاعری میں تو ایک گونہ رنگینی

Marfat.com

اور چاشنی پیدا ہوگئی لیکن بقول اقبال ملت مسلمہ کے لئے وہ تباہی بغداد سے زیادہ مہلک ثابت ہوا۔

چھٹی صدی ہجری کے آخر تک اسلامی تصوف نے جو شکل اختیار کرلی تھی اس کا بھرپور جائزہ علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی انقلاب آفریں کتاب تلبیس ابلیس میں لیا ہے۔ اس میں انہوں نے ان باتوں کی جو اسلامی تصوف میں اس وقت تک باہر سے درآمد کی جاچکی تھیں ایک طویل فہرست دی ہے اس کے علاوہ ان امور کی نشان دہی کی ہے جو بعد میں اختراع کرکے اور دین کا لباس پہنا کر تصوف میں شامل کردیئے گئے ان لوگوں کے نام بتائے ہیں جنھوں نے یہ سب کچھ کیا اور جنھیں اس وقت اولیاء اللہ اور صوفیہ کے زمرہ میں شامل کرکے مسند عزت پر بٹھایا جارہا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں :۔

"ان لوگوں کے مقاصد واقعی اچھے تھے۔ مگر افسوس کہ طریق شرع کے خلاف ہیں بعض صوفیہ بوجہ کم علمی کے جو موضوع حدیثیں ان کو ملتی ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔ ایک قوم ان کے لئے ایسی نکل آئی جنھوں نے ان کے واسطے فقر و فاقہ وساوس و خطرات کے بارے میں کلام کیا اور کتابیں تصنیف کیں مثلاً حارث محاسبی (ف ۲۴۳ھ) پھر کچھ لوگ ایسے آئے کہ انھوں نے مذہب تصوف کو ترتیب دیا اور اس مذہب کو خاص خاص صفات کے ساتھ ممتاز کیا۔ مثلاً مرقع اور سماع اور وجد و رقص اور تالیاں بجانا وغیرہ

Marfat.com

اور طہارت نظافت کی زیادتی سے تمیز بخشی۔ بعد ازاں اس امر میں ترقی ہوتی رہی۔ اور شیخ لوگ ان کے لئے نئے طریقے ایجاد کرتے اور اپنے واقعات سے گفتگو کرتے رہے۔ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ علماء سے دور رہے بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر سمجھ بیٹھے کہ یہی پورا پورا علم ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام علم باطن رکھا اور علم شریعت کو علم ظاہر گردانا۔"

(تلبیس ابلیس)

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماع، رقص، وجد اور تالیاں بجانا جن کا شریعت اسلامیہ میں کوئی وجود نہیں ہے ان لوگوں کے ہاتھوں قصر تصوف کے نقش ونگار بنے اور ان چیزوں کے مجموعہ کا نام علم باطن رکھ کر شریعت کا استخفاف کیا گیا۔ پھر علم ظاہر اور علم باطن کی تفریق ہو کے اسلامی تصوف کو اس کے اصلی سرچشمہ سے دور کر دیا۔

آگے چل کر علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:۔

"بعض صوفی ایسے ہیں جو بہت بھوکا رہنے کی وجہ سے خیالات فاسدہ میں پڑ گئے اور اس حالت کو سمجھنے کہ مشاہدہ حق میں محو و مستغرق ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایک اچھی صورت کے شخص کا خیال باندھا اور اس میں محو ہو گئے۔ یہ لوگ کفر و بدعت کے درمیان ہیں۔ پھر

Marfat.com

ان لوگوں سے چند اقوام نے کچھ طریقے نکالے لہٰذا ان کے عقائد میں فساد آ گیا۔ بعض حلول کے قائل ہوئے بعض الحاد میں پڑ گئے۔ اسی طرح شیطان اُن کو انواع انواع بدعتوں سے بہکاتا رہا۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنے لئے نئی سنتیں قرار دیں۔" (تلبیس ابلیس)

علامہ کے بیان سے ہجنسن کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ "کبھی کبھی تصوف نے الحاد کی شکلیں بھی اختیار کر لی ہیں۔"

تصوف کی بعض امہات الکتب کے بارے میں علامہ کی رائے ہے۔

"ابو سراج نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام لمع الصوفیہ رکھا۔ اس میں عجیب بُرے عقیدے بیان کئے اور مہمل گفتگو کی ..... ابو طالب مکی نے قوت القلوب تصنیف کی جس میں باطل حدیثیں بغیر کسی اصل کی طرف اسناد کئے لکھی ہیں ..... ابو حامد غزالی نے آکر قوم صوفیہ کے طریقہ پر کتاب احیاء العلوم تصنیف کی اور اس کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جن کا بطلان وہ خود نہیں جانتے۔ اور علم مکاشفہ میں گفتگو کی اور قانون فقہ سے باہر ہو گئے۔ اس میں لکھا ہے کہ وہ ستارہ و سورج اور چاند جن کو حضرت ابراہیم نے دیکھا ان سے مراد انوار ہیں۔ جو اللہ عزوجل کے حجاب ہیں۔ یہ مشہور چاند، سورج اور ستارے

Marfat.com

مراد نہیں۔ غزالی کا یہ کلام باطنیہ کے کلام کی قسم سے ہے"۔

(تلبیس ابلیس)

بعض اُن بزرگوں کے بارے میں جنہوں نے گلزارِ تصوف کو گلہائے رنگ رنگ سے سجایا علامہ کچھ اور ہی رائے رکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"حارث محاسبی کا کلام احمد بن حنبل رح نے سنا اور اپنے ایک ہمنشین سے کہا کہ میں تمہارے لئے اس قوم میں اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں سمجھتا . . . . حارث محاسبی نے کلام الٰہی وصفاتِ الٰہی کے بارے میں کچھ کلام کیا۔ اس پر احمد بن حنبل رح نے اُن کو چھوڑ دیا۔ احمد بن حنبل رح نے یہ بھی فرمایا کہ "حارث سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ حارث بلاؤں کی جڑ ہے۔ جہم کے حوادث میں مبتلا ہے۔ فلاں فلاں شخص اس کی صحبت میں رہے۔ سب کو جہمیہ بنا دیا۔ (تلبیس ابلیس)

ابو عبد الرحمٰن سلمی کہتے ہیں پہلے پہل جس شخص نے اپنے شہر میں ترتیب احوال اور مقام ولایت کی نسبت کلام کیا وہ ذوالنون مصری (۲۴۰ھ) ہیں۔ عبد اللہ بن عبد الحکم نے جو مصر کے رئیس اور مالکی مذہب تھے ذوالنون پر انکار کیا۔ اور جب یہ بات شائع ہوئی کہ ذوالنون نے ایسا علم ایجاد کیا ہے جس کے بارے میں سلف نے گفتگو نہیں کی تو علمائے مصر نے ان کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ اُن کو زندیقیت کا الزام لگایا (جابر بن حیان کوفی کی طرح ذوالنون مصری بھی کیمیا گر تھے اور اس باب میں انھوں نے کتابیں

Marfat.com

لکھی تھیں)۔ (الفہرست از ابن ندیم)

"احمد بن الحوازی کی نسبت لوگوں نے شہادت دی کہ وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتے تھے۔ لہٰذا وہ دمشق سے مکہ کی طرف بھاگ گئے"۔

رباطیں (خانقاہیں) بنانے کے بارے میں علامہ ابن جوزی کا ارشاد ہے۔

"رباطیں بنانے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ اگلے صوفیہ نے رباطوں کو اس لئے اختیار کیا تھا کہ تنہائی میں عبادت کریں اور آجکل کے صوفی اگر اپنے ارادے میں ٹھیک بھی ہیں تو چند وجوہ سے خطا پر ہیں۔ ایک تو انہوں نے یہ بدعت کی بنیاد نکالی ہے۔ اسلام کی بنیاد فقط مسجدیں ہیں۔ دوسرے انہوں نے مسجدوں کی ایک نظیر بنائی۔ جس کی وجہ سے مسجدوں میں جمعیت کم کرنی چاہی۔ تیسرے انھوں نے مسجدوں کی طرف قدم اٹھانے کی فضیلت سے اپنے آپ کو محروم رکھا۔ چوتھے انہوں نے نصاریٰ سے مشابہت کی وہ بھی دیروں میں تنہا رہتے ہیں۔ پانچویں باوجود جوان ہونے کے بن بیاہے رہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کو نکاح کی حاجت ہوتی ہے۔ چھٹے انہوں نے اپنے لئے مشہور نام مقرر کیا ہے کہ لوگ زاہد کہہ کر یاد کریں جس کی وجہ سے

Marfat.com

لوگ ان کی زیارت کو آتے ہیں۔ اور اگر اس قوم کا
ارادہ ٹھیک نہیں تو انھوں نے جھوٹ کی دکانیں بنائی
ہیں بطالت کا گھر تیار کیا ہے اور زہد کے اظہار کو
شہرت دی ہے۔ ہم نے متاخرین میں سے اکثر کو دیکھا
ہے کہ معاش کی محنت سے فارغ ہو کر آرام سے
رباطوں میں پڑے ہیں اور کھانے پینے ناچ گانے
میں مشغول ہیں۔" (تلبیس ابلیس)

امام جوزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ مال چھوڑ کر مرنے کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ پیوند لگے کپڑے پہننے کو ضروری سمجھتے ہیں اور کھانے پینے میں تکلیف اٹھانے کو ثواب کا کام خیال کرتے ہیں حالانکہ دین اسلام میں ان باتوں کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے لیکن انہوں نے ان کو ورع و تقویٰ قرار دیا ہے۔

غرض بیشمار باتیں ایسی ہیں جو مسلمان صوفیوں نے یا تو دوسری قوموں کے اثر سے اختیار کیں یا اپنی مرضی سے اپنے اوپر مسلط کر لیں اور ان کو مسائل تصوف قرار دے لیا۔ حالانکہ دین اسلام سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر ان خود ساختہ باتوں کے جواز کے لئے بہت سی حدیثیں اور روایتیں وضع کر لیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے سلسلہ قائم کر سکیں چنانچہ تصوف کے مختلف سلسلے وجود میں آگئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے صوفی قرار پائے۔ سماع، صحو و سکر، فنا و بقا اور توحید وجودی پر آپ کو عمل پیرا بتا کر ان سب چیزوں کے لئے اپنے

Marfat.com

واسطے جواز پیدا کر لیا۔ سماع کے لئے یہ حدیث وضع کی کہ آپؐ نے ایک مرتبہ کچھ حبشیوں کا گانا خود بھی سنا تھا اور حضرت عائشہؓ کو بھی سنوایا تھا صحو و سکر کو آپ سے نسبت دینے کے لئے یہ افسانہ گھڑا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سکر کی کیفیت طاری ہوئی تو آپؐ حضرت عائشہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی نہ پہچان سکے۔ دراصل یہ لوگ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کرنے کے بجائے نفسانیت میں مبتلا ہیں اور اس متواتر حدیث کے ہوتے ہوئے کہ "جس کسی نے دیدہ و دانستہ مجھ سے کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کی یا نہیں کہی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔" ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قسم کے اتہامات رکھتے ہیں۔ نبی کا منصب دوسروں کو ہوش گوش کی تعلیم دینا ہوتا ہے نہ کہ خود بہکی بہکی باتیں کرنا۔ استغفر اللہ من کل ذنب۔

تصوف کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے صوفیا کے کئی سلسلے وضع کئے گئے اور سب کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دیا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب امام قشیری کی تحقیق کے بموجب تصوف کا لفظ ۲۰۰ھ کے لگ بھگ وجود میں آیا تو پھر تصوف کے سلسلوں کا تعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور حضرت سلمانؓ فارسی سے کیسے قائم کر دیا گیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابتداءً بعض آزاد خیال لوگوں نے دوسری قوموں کے اثر سے اسلام سے جداگانہ مسلک اختیار کیا تھا لیکن جب بعض دینی حلقوں سے ان پر لے دے شروع ہوئی تو انھوں نے شریعت سے اس کا ناطہ جوڑا اور اس کی ابتدا ربھی ذات

Marfat.com

رسالت مآبؐ سے کم کے ایسے سلسلے قائم کر لیے جن میں بعض صحابہ، تابعین اور زہاد و عباد بھی شامل ہو جائیں۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی اور حضرت سلمان فارسی، حضرت حسن، حضرت حسین۔ خواجہ حسن بصری، حضرت جعفر صادق، سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، ابراہیم ادھم وغیرہ۔ اس قیاس کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ شروع میں صوفیہ کے صرف دو طبقے تھے متقدمین اور متاخرین۔ بعد میں متوسطین کا ایک طبقہ بڑھا دیا گیا۔ پھر یہ تبدیلی ہوئی کہ طبقات کی جگہ سلسلے بنا دیئے گئے۔ ان سلسلوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اب ان کو شمار کرنا بھی ممکن نہیں رہا۔ ان سلسلوں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ سوائے ایک آدھ کے سب سلسلے حضرت علیؓ کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں، ایک سلسلہ (نقشبندیہ) جو حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے[1]، غالباً بہت بعد میں ایجاد ہوا۔ کیونکہ علامہ ابن خلدون تک اس کا کوئی وجود دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ وہ "مقدمہ" میں فرماتے ہیں:۔

"صوفیہ میں 'ابدال' کا خیال بھی گویا شیعہ کے ماننے

---

[1] یہ سلسلہ ایک دوسرے طریقہ سے حضرت علیؓ سے بھی ملتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے پہلے یہ بھی دیگر سلاسل کی طرح حضرت علیؓ تک ہی پہنچتا ہو۔ بعد میں ابن خلدون اور دوسرے لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لئے ایک دوسرے طریقہ سے اس کو حضرت ابو بکرؓ سے بھی ملا دیا ہو۔

Marfat.com

ہوئے نقباء کی ترجمانی کرتا ہے اور انہیں کے زیرِ اثر
طریقت وخلوت کی اصل یا اس کا سرچشمہ حضرت علیؓ
کرم اللہ وجہٗ کو ٹھیرایا، حالانکہ حضرت علیؓ ہی طریقت
وخلوت کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ سچ پوچھئے تو حضرات
ابوبکرؓ وعمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب
سے زیادہ متقی وپرہیزگار مانے گئے ہیں۔ پھر عمومی نظر
ڈالیئے تو سب ہی صحابہ دین کے لئے معیار اور زہد و
مجاہدہ کے لئے مثال تھے۔ اور ہر ایک اپنی مثال آپ
تھا۔ اور ہمارے اس خیال کی تائید وشہادت یوں بھی
ملتی ہے کہ خاص اسی زیرِ بحث فرقۂ صوفیہ نے امام فاطمی
کے بارے میں گفتگو کی اور اس سے اپنی کتابوں کے
صفحات رنگے۔ حالانکہ صوفیائے متقدمین نے اس پر
نفی یا اثبات میں کوئی کلام نہیں کیا۔ اس سے صاف پتہ
چلتا ہے کہ یہ شیعہ کے زیرِ اثر اس قسم کے عقائد ونظریات
رکھتے تھے۔" (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ ابن خلدون نے قطب کے تصور کو بھی شیعہ فرقہ سے ماخوذ بتایا ہے۔ اور شیخ بوعلی سینا کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بالاتر ہے کہ ہر کس
ناکس اس کی معرفت حاصل کر لے۔ یا ایک ہی شخص

Marfat.com

اس کی معرفت کا ٹھیکیدار بن کر فرید عصر ہو جائے اور
اُس کے مرنے کے بعد دوسرا اُس کی مسند سنبھالے۔ بلکہ
بیک وقت و زمانہ کئی اشخاص اِس کی معرفت کا شرف
حاصل کر سکتے ہیں۔" (مقدمہ ابن خلدون)

جب صوفیہ کے سلاسل مرتب کئے گئے تو ان لوگوں کو بھی جو اپنے زمانہ کے زہاد و عباد تھے اور جن کا دامن صرف شریعت سے بندھا تھا کھینچ کر ان سلسلوں میں شامل کر لیا گیا۔ اس بارے میں بھی علامہ ابن جوزی کا بیان ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

"ابو نعیم اصفہانی نے صوفیہ کے لیے کتاب الحلیہ تصنیف کی اور
حدود تصوف میں اشیاء قبیحہ کا ذکر کیا اور اس بات سے ذرا شرم
نہ آئی کہ صوفیہ میں حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی (رضی اللہ عنہم اجمعین)
اور بڑے بڑے صحابہ اور قاضی شریح و حسن بصری و سفیان ثوری
اور احمد بن حنبل کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح سلمی نے طبقات صوفیہ میں
فضیل و ابراہیم بن ادہم اور معروف کرخی کا تذکرہ کیا اور اُن
کو صوفی قرار دیا۔" (تلبیس ابلیس)۔

توحید وجودی یا وحدت الوجود کا نظریہ جس نے بعد کو صوفیہ کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور جو تصوف کے لئے بنیادی حیثیت حاصل کر گیا نو اشراقیت سے اخذ کیا گیا تھا اور سب سے پہلے اس کو ذوالنون مصری نے رواج دینا شروع کیا تھا۔ چونکہ یہ نظریہ صوفیہ کی ایک قلبی کیفیت کی ترجمانی کرتا تھا اس لئے اس وقت اس کو بعض حلقوں

Marfat.com

میں اپنایا گیا۔ پھر جب محی الدین ابن عربی اندلسی نے جو فلسفۂ نواشراقیت پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ نہایت بلند آہنگی سے اس راگ کو الاپا اور پورے قرآن کی تفسیر اسی کے رنگ میں کی تو چونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیائے اسلام میں ایک بحرانی کیفیت طاری تھی اس لئے یہ نظریہ جو وقتی طور پر تسلی کا ایک ذریعہ ہو سکتا تھا بیحد مقبول ہوا۔ شیخ اکبر کے بہت سے متبعین پیدا ہو گئے اور انہوں نے دنیائے اسلام میں اس کی خوب اشاعت کی۔ ان مبلغین میں جلال الدین رومی۔ صدرالدین قونوی۔ اوحدالدین کرمانی۔ فخرالدین عراقی اور عفیف الدین تلمسانی جیسی عظیم ہستیاں شامل تھیں۔ اُن کے اثر سے لوگ بڑی تعداد میں اس کو قبول کرتے چلے گئے اور چونکہ اس کی تاویل و تشریح میں بے انتہا مبالغہ سے کام لیا گیا تھا اس لئے بہت جلد اس نے حلول اور زندقہ کی شکل اختیار کر لی۔ علامہ ابن خلدون نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

> "متاخرین صوفیا نے کشف اور ماوراء الحس پر کلام کو اس قدر طول دیا کہ بہت سے حلول و وحدت کا دعویٰ کر بیٹھے اور اسی کے بیان سے کتابیں رنگ ڈالیں۔ مثلاً ہروی نے کتاب المقامات لکھی۔ پھر ابن عربی، ابن سبعین اور ان دونوں کے شاگرد ابن العفیف، ابن الفارض اور النجم الاسرائیلی نے اپنے اپنے قصائد اور کتابوں میں اس کو طول دیا۔

دراصل ان کے اسلاف فرقہ اسماعیلیہ سے بہت ربط
ضبط رکھتے تھے اور یہ حلول کے بھی قائل تھے۔ اور
الوہیت ائمہ کے بھی اس لیئے یہ بھی انہیں کے رنگ میں
رنگ گئے اور انہیں کی سی گانے لگے اور انہیں کے
ہم خیال و ہم عقیدہ ہو گئے۔" (مقدمہ ابن خلدون)

توحید وجودی کا عقیدہ جب ہندوؤں کے ویدانتی فلسفہ سے ملا تو اس کا رنگ اور بھی پختہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے طفیل میں بہت سے گمراہ لوگ بھی اولیاء اللہ کے زمرہ میں شامل کر لئے گئے جیسے حسین ابن منصور حلاج جس نے اول نبوت کا اور بعد میں خدائی کا دعویٰ کیا تھا بحر معرفت کا سب سے بڑا غواص تسلیم کر لیا گیا اور اس کے مقابلہ میں جنید اور شبلی بھی ہیچ ہو گئے عفیف الدین تلمسانی جو مرے ہوئے کتے کو بھی (العیاذ باللہ) خدا کہہ کر اس کے چومنے میں تامل نہیں کرتا تھا بہت بڑا ولی اللہ گردانا گیا۔ اس کے علاوہ اس نظریہ نے کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کی تفریق مٹا دی بہتہاد مقصود فنا فی الذات کو قرار دیدیا گیا اور ارکان اسلام تک کا استخفاف کیا جانے لگا نماز سے یہ کہہ کر دامن چھڑا لیا گیا کہ جب حضوری حاصل ہو گئی تو نماز پڑھنے کی کیا ضرورت رہ گئی۔

چونکہ وحدت الوجود کا نظریہ جیسا کہ صدر میں بتایا گیا تصوف کا مرکزی نقطہ ہے اور بعض صوفیہ نے تو اس کو عقیدہ کی بنیاد بنا لیا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ پر ذرا تفصیل سے بحث کی جائے۔

Marfat.com

سچ پوچھئے تو یہ نظریہ باہر سے درآمد شدہ ایک چیز ہے اور ابتداء اسلام میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کا پورا زور وحدانیت پر ہے۔ اس لئے وحدت الوجود کو اگر اسی شکل میں تسلیم کر لیا جائے جس شکل میں یہ دوسری قوموں میں مانا جاتا ہے تو قدم قدم پر اس کا اسلام سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کی تاویل و تشریح مختلف طریقوں پر کی جاتی ہے۔ جو لوگ شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے سے الگ مانتے ہیں وہ تو اس کو کلیتہً حلول کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا کہنا ہے۔

"جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے، زمین بھی خدا ہے، آسمان بھی خدا ہے، شجر و حجر، نباتات و جمادات، عناصر بسیط اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہے۔ (معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ) اپنے اس نظریہ کی تائید میں وہ قول پیش کرتے ہیں" کنت کنزاً مخفیاً فاحببت اَنْ اعرف فخلقت الخلق"، (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے خلق کو پیدا کر دیا) یہ حضرات اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ شروع میں ذات لاتعین تھا۔ اس کا عرفان ممکن نہ تھا۔ لہٰذا اس نے مختلف تنزلات و تعینات کے ذریعہ خود کو عالم ناسوت کی شکل میں پیش کیا اور وحدت کو کثرت میں تبدیل کر دیا۔ اس لئے تمام موجودات اُسی ایک ذات کے مظاہر ہیں۔ خارج میں خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں۔ اپنے اس نظریہ کی مثال میں وہ بحر، امواج اور حباب

Marfat.com

کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں جس طرح موجیں اور بلبلے دریا کی سطح پر پیدا ہوتے نظر آتے ہیں لیکن وہ دریا سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتے شعرا نے اس نظریہ کا اظہار کئی طریقہ پر کیا ہے۔ مرزا غالب کہتے ہیں ؎

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن　　ہم کو تقلید تنک ظرفیٔ منصور نہیں

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم　　لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

ایک اور شعر میں اسی خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی　　ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

غرض اس نظریہ کے ماننے والے کائنات کو عین ذاتِ خداوندی مانتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر چیز کے وجود کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک "من دون اللہ" کہنا بھی شرک ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ "کنت کنزاً مخفیاً" سے جس پر اس نظریہ کا مدار ہے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خلق کو پیدا کیا۔ لیکن اس نظریہ کے ماننے والے خلق سے مراد "مظہر" لیتے ہیں۔ گویا خود اُن کے استدلال ہی میں تضاد موجود ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اس کو الحاد و زندقہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال وصفات کو بعینہٖ حق تعالیٰ کے افعال وصفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء وصفات میں الحاد ہے۔"

Marfat.com

آگے چل کر ذات خداوندی اور کائنات کے درمیان تعلق کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔

"پس حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ خالق و مخلوق ہونے کے سوا کسی قسم کی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد و عینیت) اللہ تعالیٰ تمام اہل جہاں سے غنی ہے۔ حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اُس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالےٰ کا مشہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے۔ اور تشبیہہ و تنزیہ کا جمع ہونا خیال کرتی ہے درحقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے۔ ان (آئینوں) میں ان کا مشہود اُن کے خیالی اور من گھڑت (تصور) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ جو کچھ وہ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ و تقدس نہیں ہے اور جو کچھ وہ حادث میں پاتے ہیں قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے۔"

بعض حضرات نے حلول کے نظریہ سے اپنا دامن بچاتے ہوئے وحدۃ الوجود کی تشریح کسی قدر رنگین پیرایہ اور شاعرانہ انداز میں کی ہے۔ ان کا کہنا ہے۔

"نظریہ وحدۃ الوجود کی رو سے وجود صرف ایک ہے اور وہ ذات

Marfat.com

خداوندی ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء اُس کی صفات کے مختلف مظاہر اور شیون ہیں۔ ہر وقت وہ ذات اپنی شانوں کا طرح طرح سے اظہار کرتی رہتی ہے۔ اسی کی طرف قرآن مجید کے یہ الفاظ "کل یومٍ ھو فی شان" اشارہ کرتے ہیں۔ اِس نظریہ کے بموجب ذاتِ خداوندی اور کائنات ایک دوسرے کے عین ہیں اور اُن میں دوئی کا کوئی شائبہ نہیں۔ ذاتِ خداوندی ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ اور اشیائے کائنات اس کی سطح پر لہریں، بلبلے اور بھنور ہیں جو برابر اُبھرتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ جس طرح ان چیزوں کی دریا سے علیحدہ کوئی حیثیت نہیں اسی طرح اشیاء کائنات بھی ذاتِ خداوندی سے علیحدہ ہو کر غیر حقیقی اور معدوم ہیں۔ جیسے دریا اپنی ذات میں حقیقی اور قائم بالذات ہے اور لہریں بلبلے وغیرہ محض عوارض ہیں۔ اسی طرح ذاتِ خداوندی حقیقی اور قائم بالذات اور اشیاء کائنات محض عارضی ہیں۔ قرآن مجید نے ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٍٔ محیط کے پاک الفاظ سے اِس سرِ مکتوم کو آشکارا کر دیا ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود" میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں

"وحدت الوجود والشہود دو لفظ ہیں کہ دو جگہ بولے جاتے ہیں۔ کبھی تو مستعمل ہوتے ہیں بحث میں سیر الی اللہ کے۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس سالک کا مقام وحدت الوجود ہے اور اس سالک کا مقام

وحدت الشہود ہے اور معنی وحدت الوجود کے یہاں استغراق ہے
معرفت میں ایسی حقیقت جامعہ کے جو عالم کو فانی کرتی ہے اس حیثیت
سے کہ ساقط ہو جائیں اس سے احکام تفرقہ اور تمیز کی چیز معرفت خیر و شر
کے ہے اور شرع اور عقل ان سے خبر دیتی ہے اور بہت بیان اور خبریں
اس کی دی ہیں۔ اور یہ ایسا مقام ہے جس میں بعضے سالک پھنسے رہتے
ہیں۔ جب تک اللہ اس سے خلاصی دے اور وحدت الشہود کے معنی ہیں۔
جمع کرنا احکام جمع اور تفرقہ کا۔ پس جانا جاتا ہے کہ سب چیزیں واحد
ہیں ایک وجہ سے اور مغائر ہیں دوسری وجہ سے اور یہ مقام اتم اور
ارفع ہے پہلے مقام سے۔ اور یہ اصطلاح میں نے اخذ کی ہے بشیخ آدم
نوری قدس سرہٗ کے بعضے اتباع سے۔ اور کبھی وحدت الوجود اور
وحدت الشہود دونوں لفظ مستعمل ہوتے ہیں۔ حقائق اشیاء کی معرفت
پر جیسے وہ ہیں پس نظر کی حادث اور قدیم کے ربط پر تو ایک قوم کے
نزدیک واقع ہوا کہ عالم اعراض مجتمعہ ہیں، حقیقت واحد ہیں جیسے صورت
گھوڑے کی اور صورت گدھے کی، ان سب کو موم کی بنالیں تو موم کی
طبیعت باقی ہے۔ ہر حال میں۔ اب اُس موم کی صورت کو موم نہیں کہتے
بلکہ کہتے ہیں۔ یہ انسان ہے یہ گھوڑا وغیرہ ہے۔ لیکن وہ صورتیں حقیقت
میں تمثالیں ہیں جن کا وجود نہیں۔ مگر موم کے سبب اور ایک قوم کے
نزدیک یہ واقع ہوا کہ عالم جو ہے عکس ہے اسماء وصفات کے جو منطبع
ہوئے ہیں اعدام کے آئینوں میں، وہ اعدام جو اُن اسماء وصفات کے

Marfat.com

مقابلہ میں ہیں۔ جیسے قدرت کہ قدرت کے مقابلہ میں عدم کو وہ عجز ہے تو جب منعکس ہوئی قدرت کی روشنی عجز کے آئینہ میں تو ہو گئی قدرت ممکنہ اور اسی طرح باقی صفات کا حال ہے۔ اور وجود بھی اسی طریق پر ہے۔ تو پہلے مذہب کا نام وحدت الوجود ہے اور دوسرے کا نام وحدت الشہود ہے۔ اور ہمارے نزدیک دونوں مکاشفے صحیح ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ شیخ عربی نے وحدت شہودی اس معنی میں نہیں کہا، سہو ہے۔ بلکہ شیخ اور اتباع شیخ نے بلکہ حکما نے بھی کہا ہے۔ اس واسطے کہ اس قول کا محصل بعد تہذیب و تخلیص مجازاً اور استعاروں کے جو فہم کو صعوبت واجب کرتے ہیں یہی ہے کہ حقائق امکانیہ بہت ضعیف اور بہت ناقص ہیں اور حقیقت وجودیہ بے حد کامل اور بہت قوی ہے۔ اس حیثیت سے کہ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ حقائق امکانیہ اعدام ہیں کہ ان میں صور موجودات ظاہر ہوئیں۔ اور کچھ چھپا نہیں کہ یہ قول متفق ہے۔"

چونکہ وحدت الوجود کی اصطلاح اسلامی تعلیمات سے مناسبت نہیں رکھتی اس کو اسلامی تعلیمات سے مطابقت دینے میں طرح طرح کی الجھنیں پیش آتی ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغۂ روزگار کو بھی منطقی استدلال اور فلسفیانہ موشگافیوں سے کام لینا پڑا جب بقول حضرت شاہ صاحب دونوں مکاشفے ہیں تو ان پر اس قدر سنجیدگی سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے اس سلسلہ میں صحیح فیصلہ کیا ہے۔ وہ حسن نظامی کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

Marfat.com

"وحدۃ الوجود کو اگر حقیقت نفس الامری کے طور پر مانا جائے تو یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اور اگر اس کو ایک قلبی کیفیت سمجھ لیا جائے تو اس پر سنجیدگی سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

لہٰذا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس پوری بحث اور آئندہ بیان کی گئی تفصیلات کو زیادہ سے زیادہ اس مسئلہ کا ایک علمی پہلو سمجھا جا سکتا ہے اور حقائق امکانیہ اور حقیقت وجودیہ کی وحدت کا اس سے اثبات نہیں ہوتا۔ جب "حقائق امکانیہ بہت ضعیف اور بے حد ناقص ہیں اور حقیقت وجودیہ بے حد مکمل اور بہت قوی" تو اس بات سے ان میں تباین تو ثابت ہوتا ہے توافق ثابت نہیں ہوتا۔ دوئی لازم آتی ہے وحدۃ کا شائبہ دکھلائی نہیں دیتا۔ اس پر موجود ضعیف بلکہ موجود اضعف کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن معدوم نہیں سمجھا جا سکتا

ماہنامہ قومی زبان شمارہ نومبر ۸۲ء میں ڈاکٹر محمد اقبال جاوید کا ایک مضمون وحدت الوجود اور خودی کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

"وحدۃ الوجود کی حقیقت دراصل ارتباط الحادث بالقدم ہے۔ اس اعتبار سے یہ خالص فلسفے کا مسئلہ ہے تصوف کی طرح وحدۃ الوجود کی آوازوں سے فلسفے کا ایوان بھی گونج رہا ہے۔

"حضرات صوفیہ کے لئے یہ مسئلہ کوئی فلسفیانہ یا ذت نہیں ہے۔ اور ان کو اس حقیقت تک کسی منطقی استدلال سے رسائی نہیں

Marfat.com

ہوئی بلکہ یہ بیشتر اُن کا حال ہے جو غلبۂ توحید سے ناشی ہے گو بعض کو اس کی حقیقت مکشوف بھی ہوئی ہے اور اسے منطقی استدلال سے پیش بھی کیا گیا ہے۔ لیکن دراصل یہ صوفیائے کرام کا روحانی تجربہ اور حال ہے اور بقول حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ "جب یہ سالک کا حال بن جائے تو اس مرتبہ میں فنا کہلاتا ہے"

"صوفیہ کے دل میں جو ذات بسی ہوئی ہے وہی انہیں خارج میں دکھائی دیتی ہے اور وہ ہر وقت خدا کی دھن اور دھیان میں رہتے ہیں اور خدا ہی کے جلوے انھیں انفس و آفاق میں دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا جامی کا شعر ہے ؎

بسکہ در جانِ نگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

یہ بات غور کرنے کی ہے کہ شاعر کو خارج میں دکھائی دینے والے ہر شخص پر اپنے محبوب کا گمان ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حقیقی وجود صرف ان کے محبوب کا ہے۔ اور دوسرے موجودات موہوم اور خیالی ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ محبوب اس کی زخمی روح اور بیدار آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ جب سالک کا یہ حال ہو جائے تو اسے اس عالم میں خدا کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ؎

کچھ ترے بن نظر نہیں آتا آرزو بن گئی مجسّم کیا

صوفیاء کا حال یہ ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت آفتاب حق چمک رہا ہے اور جس طرح سورج کی روشنی میں ستارے

Marfat.com

دکھائی نہیں دیتے گو موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح سالک کو مشاہدۂ حق میں انہماک کی وجہ سے وجودِ عالم، مشہود نہیں ہوتا گو عالم موجود ہوتا ہے۔

حضرت مجذوبؒ اس قلبی کیفیت کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔ سے

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

بہرحال حضرات صوفیاء کا یہ حال تھا جس کی وجہ سے انہوں نے وجودِ عالم اور بعض دفعہ خود اپنی ذات کی نفی کر لی تھی۔ اس سے مراد یہ ہرگز نہ تھی کہ وجودِ حقیقی کے سوا اور کسی چیز کا وجود ہی نہیں لیکن جو لوگ اہل قال تھے اور اس حال سے کوسوں دور اور بیگانہ تھے وہ اسے لے اُڑے اور صد رنگ تعبیرات سے اسے وہ معنی پہنائے کہ حقیقت سر پیٹ کر رہ گئی تصوف کے حلقوں میں اس کی اتنی تعبیریں کی گئیں کہ ؎

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

شعراء کو شاعرانہ مضمون آفرینی کے لئے یہ نکتہ بہت کارآمد معلوم ہوا۔ کسی نے شاعر سے پوچھا "تصوف چیست؟" ارشاد ہوا "تصوف برائے شعر گفتن خوب است" اس فلسفہ سے شاعروں کو ایسا فکری مواد ہاتھ آگیا جس کی موشگافیاں انہیں حقیقت سے دور لے گئیں۔ کسی نے کہا کہ یہ کائنات اور اس کے صدہا مظاہر حواس کا دھوکا اور نظر کا فریب ہیں۔ زندگی ایک خواب ہے اور ہم خواب میں طرح طرح کے حیرت انگیز تماشے دیکھ رہے ہیں۔ اور خود دوسرے

Marfat.com

کے لئے تماشا بن رہے ہیں کسی نے کہا وہم نے میری آنکھوں میں خاک ڈالدی ہے جس کی وجہ سے مجھے بیاباں دکھائی دیتا ہے اور میری آنکھوں میں وہم نے قطرہ پیدا کر دیا ہے کہ میں بحر بیکراں کا نام لینے لگا ہوں۔ ورنہ کہاں بیاباں اور کہاں بحر بیکراں۔ یہ سب وہم کی خلاقی ہے ؎

وہم خاکے ریخت درچشم بیاباں دیدمش   قطرۂ انداخت و بحر بیکراں پنداشتم

اس طرح وحدت الوجود کی کوکھ سے جو افکار اور فلسفے پیدا ہوئے جن سے ہماری حیات ملی بری طرح متأثر ہوئی اور مسلمان ذوق عمل سے محروم ہو گئے۔ اس سے جو مختلف قسم کے نکات پیدا کئے گئے ان میں ایک نکتہ یہ تھا کہ نفس واحد چونکہ شیخ و برہمن میں ایک ہے اس لئے کفر و اسلام اور حق و باطل کا امتیاز اعتباری ہے۔ صوفی کی تعریف اس طرح کی گئی کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اس کے لئے احسن یہ ہے کہ وہ مذہبی شعار کو دور ہی سے سلام کر دے۔ اسی سے منطقی نتیجے کے طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ طریقت شریعت سے الگ ہے اور اہل طریقت کے لئے شریعت کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اسی سے جبر کا عقیدہ پیدا ہوا۔ صاحب ارادہ صرف نفس واحدہ ہے اور اس کے سوا چونکہ کسی چیز کا وجود ہی نہیں اس لئے اس کا کوئی ارادہ بھی نہیں۔ بس ارادۂ الٰہی کی طوعاً و کرہاً بجا آوری ہی جملہ مخلوقات کی تقدیر ہے۔ انسان مجبور محض ہے اور ناحق اس پر مختاری کی تہمت ہے۔

ع ہم جبریوں کا کھلواؤ   نام کو اختیار سا ہے کچھ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عربی کے نظریۂ وحدت الوجود

Marfat.com

اور شیخ احمد سرہندی کے نظریہ وحدت الشہود کو ایک ہی چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ خود شیخ احمد سرہندی کا ایسا خیال نہیں تھا. بلکہ وہ ان کے اکثر علوم کو خطا و ناصواب اور ان کے اکثر معارف کشفیہ کو علوم اہل سنت سے جدا اور صواب سے دور سمجھتے تھے۔

مولانا شبلی نعمانی اپنی تالیف "سوانح مولانا روم" میں بیان کرتے ہیں کہ مولانا جلال الدین رومی جو شیخ عربی کے اتباع میں سے تھے۔ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اور یہ وحدت الوجود کلیتہً ہمہ اوست کے نظریہ پر مبنی تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

> "مولانا وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک تمام عالم اسی ہستی مطلق کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں، اس بنا پر صرف ایک ذاتِ واحد موجود ہے اور تعدد جو محسوس ہوتا ہے محض اعتباری ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

گر ہزاراں اند یک کس بیش نیست — جز خیالاتِ عدد اندیش نیست
بحر وحدانیست جفت و زوج نیست — گوہر و ماہیش جز موج نیست
نیست اندر بحر، شرک پیچ پیچ — لیک با احول چہ گویم ہیچ ہیچ
اصل بیند، دیدہ چوں اکمل بود — دو ہمے بیند چہ مرد احول بود
چونکہ جفتِ احولانیم اے شمن — لازم آید مشرکانہ دم زدن
ایں دوئی اوصاف دید احول ست — ورنہ اول آخر، آخر اول ہست

Marfat.com

کل شیٔ ما خلا اللہ باطل — ان فضل اللہ غیم باطل

خود مولانا شبلی ان دونوں نظریوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں یہ فرق ہے کہ وحدتِ وجود کے لحاظ سے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح حباب اور موج کو پانی کہہ سکتے ہیں، لیکن وحدتِ شہود میں یہ اطلاق جائز نہیں، کیونکہ انسان کے سایہ کو انسان نہیں کہہ سکتے، وحدتِ وجود کا مسئلہ بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے اور اہل ظاہر کے نزدیک تو اس کے قائل کا وہی صلہ ہے جو منصور کو دار پر ملا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحدتِ وجود کے بغیر چارہ نہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے پہلے مقدماتِ ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہئے۔

(۱) خدا قدیم ہے۔

(۲) قدیم، حادث کی علت نہیں ہو سکتا، کیونکہ علت اور معلول کا وجود ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر علت قدیم ہو تو معلول بھی قدیم ہوگا۔

(۳) عالم حادث ہے۔

یہ بحث خالص فلسفیانہ ہے اور شبلی نے اس مسئلہ کو فلسفہ کی اصطلاحوں، قدیم و حادث اور علت و معلول کے ذریعہ طے کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ فلسفہ کا پابند ہے اور نہ فلسفہ کی اصطلاحوں کے زیر اثر اس کے کام انجام پاتے ہیں۔ ایک مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ حیّ لایموت اور قادر مطلق ہے۔ ہر چیز اس کی مشیت سے

Marfat.com

تابع ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ کائنات فانی ہے اور اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اللہ اور عالم کا تعلق علت و معلول کا نہیں۔ بلکہ خالق و مخلوق کا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہر جگہ 'خلق' اور تخلیق کے الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ پہلی وحی کے الفاظ ہیں" اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق یا الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان یا اللہ خالق کل شئی۔ اور جب اللہ کو قادر مطلق مان لیا گیا تو اس کے لئے یہ بات ناممکن نہیں رہی کہ وہ حی لایموت ہونے کے باوجود فنا ہونے والی اشیا یا فلسفہ کی اصطلاحوں میں "قدیم" ہونے کے باوصف "حادث" چیزیں پیدا کر سکے۔ بہرحال یہ عقیدہ رکھنے سے کہ قدیم (اللہ تعالیٰ) حادث اور کائنات) کی علت نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ پر حرف آتا ہے۔ مسلمان کے لئے یہ عقیدہ یقیناً گمراہ کن ہے۔

شیخ اکبر کے اتباع میں مولانا جلال الدین رومی کے علاوہ ایک بزرگ عفیف الدین تلمسانی بھی تھے۔ اُن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ:

"ایک مرتبہ وہ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں انھیں ایک مرا ہوا کتا نظر آیا۔ انھوں نے دوڑ کر اُس کو چومنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے جب اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا۔ ہر شے میں خدا موجود ہے۔ مجھے اِس کتے میں بھی خُدا نظر آیا۔ لہٰذا میں نے اسے چوم لیا۔"

اگر اس تاویل کو حلول اور زندقہ نہیں کہا جاتا تو وہ پھر کونسی چیز ہے۔

Marfat.com

جس پر اس نام کا اطلاق ہوتا ہے؟ ممکن ہے شیخ محی الدین ابن عربی کا منشا یہ نہ ہو لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ان کے بعض اتباع ان کی تفسیر و تعبیر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط راہ پر پڑ گئے اور انھوں نے "ہمہ اوست" کے نظریہ میں اس درجہ مبالغہ سے کام لیا کہ وہ کلیتہً حلول اور زندقہ کی شکل اختیار کر گیا۔ ہندوستان میں پہنچ کر ویدانتی فلسفہ کے اثر سے اس کا رنگ اور گہرا ہو گیا۔[1]

---

[1] سید حامد علی صاحب "ادارۂ شہادت حق" کی خصوصی پیش کش "ہندومت اور توحید" میں "ویدانت کا فلسفہ" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

"....... یہ ہے اپنشد یا ویدانت کا فلسفہ! اس سے معلوم ہوا کہ اپنشد میں تین مکاتب فکر ہیں۔ (۱) ثنویت (۲) محدود وحدت الوجود (۳) وحدت الوجود یا لاثنویت پہلے نظریہ کی رو سے خدا، روح اور فطرت (مادہ) یہ تین ازلی و ابدی اور مستقل وجود ہیں، خدا صانع ہے خالق نہیں، یعنی وہ عدم سے وجود نہیں پیدا کرتا بلکہ روح اور فطرت میں امتزاج پیدا کرتا ہے اور یہ امتزاج روح کے سابق اعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ خدا، فطرت اور روح یہ تین ازلی و ابدی اور لامحدود وجود ضرور ہیں۔ مگر یہ تین فی الواقع ایک ہیں، فطرت اور روح کا ظہور ہیں۔ فطرت اور روح خدا کا جسم ہیں۔ اس طرح کائنات کی ہر چیز خدا ہے۔ اور تیسرا نظریہ یہ ہے کہ کائنات محض خواب ہے۔ موجود صرف ایک ہی ذات ہے، وہ لامحدود ہستی ——— خدا ہے۔ مادہ اور روح اسی ایک ذات کے مختلف انعکاسات ہیں بظاہر یہ سب فریب اور خواب ہے اور حقیقت کے اعتبار سے ہر شئے خدا ہے ——— حقیقت کو پا لینے اور جذب کرنے سے ان تینوں نظریات

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اور وحدت الوجود نے وحدت ادیان کی شکل اختیار کر کے بھگتی تحریک کو جنم دیا۔ یہاں تک کہ بعض صوفیہ نے اس نظریہ کو اپنا عقیدہ بنا لیا چنانچہ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے اپنی تالیف "شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات" میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ :۔

"ایک دفعہ نماز فجر کے بعد آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور عالم سرمستی میں بہت دیر تک مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو فرماتے رہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ حمید، شیخ رکن الدین اور شیخ احمد بھی

بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ کا :۔ یعنی خدا کی خالقیت کو رد کر دیا گیا ہے"

"ہم نے ویدانت کے تینوں مکاتب فکر کا یہاں اس لئے ذکر کر دیا کہ بعد کے تقریباً تمام ہندو مصلحین پر یہ نظریات چھائے رہے ہیں۔ بالخصوص آخری دو نظریے جو وحدت الوجود کی دو تعبیریں ہیں، ہندو مصلحین کا رجحان خواہ شرک کی طرف رہا ہو یا توحید کی طرف وہ اس فلسفہ سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکے ہیں۔ یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ اس فلسفہ کا توحید خالص سے کوئی جوڑ نہیں ہے ـــــ حالانکہ ہندو فلسفی و صوفی ہی نہیں۔ بہت سے مسلمان صوفی و فلسفی بھی وحدت الوجود ہی کو حقیقی توحید قرار دیتے رہے ہیں ـــــ وحدۃ الوجود کا نظریہ خالص ویدانتی نظریہ ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ـــــ ہندوستان کی مذہبی و فکری تاریخ گواہ ہے کہ وحدت الوجود کے اس فلسفہ نے شرک کے لئے جو بے بنیاد تھا بنیاد فراہم کی ہے اور اس کی جڑوں کو اس قدر مستحکم کر دیا کہ توحید خالص یہاں کبھی نہ پنپ سکی۔ (ہندومت اور توحید صفحات ۸۷ ـ ۸۸)

Marfat.com

اس مجلس میں موجود تھے، حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میرے دل میں اس مسئلے کے متعلق خطرہ گذرا اور ہم تینوں نے آپ سے عرض کیا کہ مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق کوئی تصریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہمیں نہیں ملتی۔ اور نہ شارع کے نزدیک اس مسئلہ پر دین کا مدار ہے۔ اور نہ اس کے متعلق کوئی وضاحت ہے، اب کہ اس مسئلہ پر اس قدر شدت اختیار کی جاتی ہے اور ہم اُسے اپنے عقیدہ کا جز بنائے ہوئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے آخرت میں اس پر مواخذہ کیا جائے اور یہ ہمارے لئے دینی اعتبار سے مضر ہو؟ آپ نے صاحبزادوں سے فرمایا.......

"حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تبع تابعین کے زمانے میں وجود میں آیا ہے اور یہ زمانہ بھی خیر القرون میں شامل ہے، اس لئے کہ یہ قرن ثالث تھا۔ اور جنھوں نے اس مسئلہ کو وجود بخشا، وہ مشائخین کبار، مقتدایان دین اور مجتہدین وقت میں سے تھے اور تمام علمائے ظاہر انھیں کی طرف رجوع کرتے تھے ہمیں ان کے قول و فعل پر اعتماد کلی رکھنا چاہیئے....

شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں نے اور شیخ حمید نے اس مسئلہ میں حضرت شیخ سے اس قدر طویل گفتگو کی کہ فجر سے لے کر دوپہر کا وقت ہو گیا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو ہماری اس طویل بحث و تمحیص سے حضرت شیخ کو یہ خیال گذرا کہ ابھی یہ لڑکے علم معرفت میں ناقص اور وحدت الوجود کے منکر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان لڑکوں کے ساتھ

Marfat.com

رہنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ دوسرا مسلک ومشرب رکھتے ہیں اور میرا مسلک ومشرب ان سے علیحدہ ہے پھر میرا اور ان کا ساتھ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ عالم جوش ومستی میں وہاں سے تھانیسر کی طرف پیدل روانہ ہو گئے۔ ...."

اس طویل اقتباس میں یہ بات خاص طور سے توجہ کے قابل ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ نے خود اعتراف کیا ہے کہ "یہ مسئلہ تبع تابعین کے زمانہ میں وجود میں آیا۔ . . . . اور جنہوں نے اس مسئلہ کو وجود بخشا، وہ مشائخین کبار، مقتدایان دین ومجتہدین وقت میں سے تھے"۔ اُن کے اِس ارشاد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس بات کا علم اُن کو بھی تھا کہ "وحدت الوجود" کا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہیں تھا بلکہ تبع تابعین کے زمانہ میں وجود میں آیا اور مشائخین کبار، مقتدایانِ دین اور مجتہدین وقت سے ہوتا ہوا آیا تھا۔ ان کے قول وفعل پر اعتماد کر کے انھوں نے اُس کو اپنے عقیدہ کا جز بنالیا تھا۔

وحدت الوجود کی تشریح مصنف کتاب نے تذکرۂ غوثیہ میں منقول رود کوثر کے حوالے سے یہ کی ہے۔

> "وجود یعنی ہستی حقیقی ایک ہے، مگر ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن، باطن وجود ایک نور ہے جو عالم کے لئے ایک جان کی طرح ہے۔ ہر اسم وصفت وفعل کہ اِس ظاہر عالم

Marfat.com

میں ہے ان سب کا اصل وہی وصف باطن ہے اور اس
کثرت کی حقیقت حقیقۃً وہی وحدت ہے جیسے امواج کی
حقیقت عین ذات دریا ہے۔ مختصر یہ کہ تمام افرادِ کائنات
تجلیاتِ حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیاء
وھو عینھا" اور اس کثرتِ اعتباری کا وجود اسی وحدتِ
حقیقی سے ہے "الخلق محسوس والحق معقول"

اِس تشریح میں ذات خداوندی اور کائنات کے تعلق کو دریا اور امواج سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں ذات خداوندی اور کائنات کا بالواسطہ طریقہ پر ایک دوسرے کا عین بتایا گیا ہے۔ اس نظریہ کو تقویت پہنچانے کے لئے جو فقرہ "سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا" نقل کیا گیا ہے وہ قرآن کی کوئی آیت نہیں اور چونکہ اس سے وحدت الوجود کے نظریہ پر دلالت کی گئی ہے اور وحدت الوجود کا نظریہ بقول حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ عہدِ رسالت میں وجود میں نہیں آیا تھا۔ اس لئے اس فقرہ کو حدیث بھی نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا یہ ماننے بغیر چارہ کار نہیں کہ یہ کسی ایسے صوفی کا قول ہے جو وحدت الوجود کے عقیدہ کو اپنائے ہوئے تھا۔

بہرحال بھگتی تحریک سکندر لودی کے زمانہ سے پروان چڑھی اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا زمانہ بھی وہی تھا۔ پھر حکومت مغلیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور حضرت شیخ ہمایوں کے عہدِ حکومت تک زندہ رہے۔

Marfat.com

لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اکبر کے عہد تک پہنچتے پہنچتے اس نظریہ یا عقیدہ نے اور بھی شدت اختیار کرلی اور پھر اکبر کی ملحدانہ سرگرمیوں کے سبب اس میں اور بھی مفاسد پیدا ہوگئے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ دور اکبری میں پیدا ہوئے اور جوانی کی عمر کو پہنچے۔ علوم دینی حاصل کرکے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر اپنے والد مخدوم شیخ عبدالاحد سے سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ سلسلوں میں بیعت ہوئے اور اُن کی رحلت کے وقت خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اسی زمانہ میں خواجہ باقی باللہؒ کا ورود ہندوستان میں ہوا اور انہوں نے یہاں نقشبندی سلسلہ کو پھیلانا شروع کیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اُن کے طریقہ سے بیحد متأثر ہوئے۔ اور کچھ عرصہ بعد طریقۂ نقشبندیہ میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ چونکہ اُس زمانہ میں صوفیہ میں وحدت الوجود کا بہت چرچا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر وہ اور خواجہ باقی باللہؒ دونوں نے اس نظریہ کو اپنایا اور کچھ عرصہ تک اسی کو اختیار کئے رہے لیکن جب انھیں اپنے روحانی تجربہ سے معلوم ہوا کہ وحدت الوجود راہِ سلوک کی ایک درمیانی کیفیت ہے جو آگے چل کر ختم ہوجاتی ہے تو وہ اور حضرت خواجہ صاحبؒ اس نظریہ سے دستبردار ہوگئے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

> "مصرفت پناہی قبلہ گاہی حضرت خواجۂ ما قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ چندگاہ مشرب توحید وجودی داشتند و در رسائل و مکتوبات خود آنرا اظہار می فرمود اما آخر کار حق سبحانہٗ و تعالیٰ

بہ کمال عنایت خویش از آں مقام ترقی ارزانی فرمودہ
بہ شاہراہ انداختہ از مضیق ایں معرفت خلاصی داد۔
میاں عبدالحق کہ یکے از مخلصان ایشانند نقل کردند کہ
پیش از مرضِ موت ایشاں بیک ہفتہ فرمودہ آمد کہ
مرا عین یقین معلوم شد کہ توحید کوچہ ایست تنگ،
شاہراہ دیگر است۔ پیش ازیں ہم میدانستم اما کنوں
یقینے دیگر حاصل گشت۔" (مکتوبات جلد اول مکتوب ۴۳)

پھر اس مکتوب میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"وایں حقیر نیز چندگاہ در حضرت ایشاں ایں مشرب
توحید داشت ومقامات کشفیہ در تائید ایں طریق
بسیار لائح گشتہ بودند، اما عنایت خداوندی جل
سلطانہ از آں مقام گزرانیدہ بمقامے کہ خواست
مشرب گردانیدہ۔"

یہ شاہراہ اور بلند مقام وحدت الشہود یا "توحید شہودی" کا نظریہ تھا۔ مختصر طور پر اس نظریہ کی تشریح ان الفاظ میں کی جاسکتی۔
"وحدت الشہود کے بموجب ذاتِ خداوندی اور اشیاء کائنات ایک دوسرے کے عین نہیں بلکہ غیر ہیں۔ خدا کی ذات ہماری عقل وفہم کی رسائی سے باہر ہے۔ اشیاء کائنات خدا کی ذات یا صفات کے مظاہر نہیں بلکہ موجود بالذات ہیں۔ خدا نے عدم محض سے

Marfat.com

اُن کو پیدا کیا ہے۔ اس لیئے خدا اور جملہ اشیاء میں خالق و مخلوق کا تعلق ہے۔ وحدۃ الشہود کے نظریہ کے بموجب اگر سالک کو حالت جذب میں خدا اور کائنات کے درمیان عینیت کا تعلق نظر آتا ہے تو وہ حقیقی نہیں ہوتا بلکہ نفسیاتی ہوتا ہے۔ جب سالک راہ از دیاد محبت سے سرشار ہو کر ماسوا سے نظر ہٹا لیتا ہے اور صرف خدا کے تصور کو ہی ذہن میں قائم رکھتا ہے تو اس کو ذات خداوندی کے سامنے اپنی ذات اور کل کائنات معدوم نظر آنے لگتی ہے اور وہ اس سرشاری و سرمستی میں کہہ اٹھتا ہے کہ "خدا کی ذات کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں اور اگر کوئی چیز نظر آتی ہے تو وہ وہی ہے" اسی کیفیت میں کبھی وہ "انا الحق" پکار اٹھتا ہے اور کبھی سبحانی ما اعظم شانی کہنے لگتا ہے۔ درحقیقت یہ کیفیت اس کے اپنے جذبہ اور شہود کی کارفرمائی ہے۔ اور واقعیت اور اصلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ گویا سالک کو وقتی طور پر اسم وحدۃ کا مشاہدہ ہوتا ہے اسی لیئے اس کو وحدۃ الشہود یا توحید شہودی کہنا مناسب ہے۔"

جیسا کہ صدر میں بتایا گیا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ابتداءً توحید وجودی کے مشرب پر تھے۔ بعد میں ترقی کر کے توحید شہودی کے قائل ہو گئے۔ وہ اپنی ان مختلف کیفیات کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"یہ فقیر بچپن سے توحید وجودی والے حضرات کے مشرب پر تھا۔

Marfat.com

اور فقیر کے والد بزرگوار بھی بظاہر اسی مشرب پر تھے اور باطن میں پوری
پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود جو مرتبہ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے
ہمیشہ اسی طریق پر مشغولیت رکھتے رہے اور اس مضمون کے مصداق کہ فقیہ
کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے فقیر کو اس مشرب سے بلحاظ علم بہت زیادہ حصہ او
بڑی لذت حاصل تھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے
ارشاد و ہدایت کی پناہ والے حقائق و معارف کے جاننے والے دین
دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولا و قبلہ حضرت خواجہ محمد باقی
قدس سرہٗ کی خدمت میں رسائی نصیب کی۔ اور انہوں نے فقیر کو
طریقۂ نقشبندیہ تعلیم فرمایا۔ اور اس مسکین کے حالِ زار پر بڑی توجہ فرما
اس طریقۂ عالیہ کی مشق کے بعد تھوڑی مدت میں توحید وجودی منکشف
ہو گئی اور اس کشف میں حد سے بڑھ کر زیادتی پیدا ہوئی۔ اور اس
مقام کے علوم و معارف بکثرت ظاہر ہوئے اور اس مرتبہ کے دقائق
میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جس کو فقیر پر منکشف نہ کیا
اور یہ حال بہت مدت تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک
نوبت پہنچ گئی ناگاہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت بے غایت غیب کے
جھروکوں سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر ہوئی اور اس پردے کو جو بے
ویلے چگونی کے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا اتار پھینکا اور سابقہ
جو اتحاد اور وحدتِ وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے۔ اور احا
سریان و قربت و معیتِ ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہونے تھے پو

Marfat.com

ہو گئے اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صانع عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں حق تعالیٰ کا احاطہ اور قرب علمی ہے۔ جیسا کہ اہلِ حق شکر اللہ سعیہم کے نزدیک ثابت و مقرر ہے۔ حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے بلند شان والا اور پاک ہے اور عالم عالم ہے۔

"پس بہتر وہی ہے جو علمائے اہل سنت و جماعت نے بیان کیا ہے کہ قرب و احاطہ علمی ہے اور توحید وجودی کے مشرب کے مخالف علوم و معارف کے حاصل ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار ہوا اور کیونکہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اصلی امر نہیں جانتا تھا اور عاجزی و زاری سے دعا کیا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ سارے حجاب سامنے سے زائل ہو گئے اور حقیقت کما حقہٗ منکشف ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہور ذات کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسا کہ توحیدِ وجودی والوں کا مذہب ہے۔"

(مکتوبات دفتر اول مکتوب ۳۱)

آغازِ اسلام کے بعد کئی صدیوں تک وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اصطلاحوں کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ اُس وقت وحدانیت پر عقیدہ رکھنا ضروری تھا۔ معبود و مسجود ہونے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا ناقابلِ معافی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ کلمہ طیبہ کا پہلا جز اسی عقیدہ کی

Marfat.com

تصدیق کے لئے تھا۔ یہاں تک کہ شروع دور کے صوفیہ بھی اسی عقیدہ پر کاربند تھے۔ انھوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اصطلاحوں کی روشنی میں کبھی ذات خداوندی اور کائنات کے تعلق کی تشریح نہیں کی۔ وہ اللہ کو خالق اور کائنات کو مخلوق قرار دیتے تھے۔ پھر فلسفہ اور دوسری قوموں کے اثر سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو میں تبدیلی رونما ہوئی۔ باطنی اصلاح کے لئے لفظ "احسان" کی جگہ "تصوف" کی اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ ذوالنون مصری نے نو اشراقی فلسفہ کے زیر اثر دبے سروں میں وحدت الوجود کا نغمہ الاپا۔ آہستہ آہستہ یہ لے بڑھی اور آخرکار حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جو نو اشراقیت سے خاصے متاثر تھے نہایت بلند آہنگی سے اس کو پیش کیا۔ آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر وحدت الوجود کے نظریہ کی روشنی میں کر کے اس نظریہ کو عقیدہ کا رنگ دے دیا۔ بعض احادیث بھی ایسی فراہم کر لی گئیں جن سے نظریۂ وحدت الوجود کی تائید ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی انتہا تو یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کے جزء اول لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم لا معبود الا اللہ کی بجائے لا مقصود الا اللہ اور لا موجود الا اللہ لیا جانے لگا۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ اس نظریہ کے اتنے مفسر تھے انھوں نے نہ معلوم کیا سمجھا اور کیا کہا۔ ان کے بعض معتقد معاصرین نے ان کی ہمنوائی کی۔ ان میں مولانا جلال الدین رومی، صدر الدین

قونوی، فخرالدین عراقی اور اوحد الدین کرمانی کے نام قابل ذکر ہیں۔
بعد میں مولانا عبدالرحمٰن جامی اور محب اللہ الہ آبادی نے اس نظریہ کی اشاعت کی۔ فارسی شعراء نے شاعری کا اہم موضوع بنا کر اس میں بڑی رنگینی، دلکشی اور جاذبیت پیدا کر دی۔ ان سب عوامل کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے وہ لوگ جو ان اشاروں کی اصلیت و حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تھے انھوں نے بھی اس موضوع پر گفتگو کرنی شروع کی اور ان کی ایسی تشریحات و تاویلات پیش کیں جنھوں نے اس نظریہ کو بڑی حد تک مسخ کر دیا اور اس میں حلول اور زندقہ کی پوری شان پیدا ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اس کے مقابلہ میں "وحدت الشہود" کا نظریہ پیش کیا اور اس کی بنیاد اپنے ذاتی مشاہدہ اور روحانی تجربہ پر رکھی۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ذات خداوندی اور کائنات میں خالق و مخلوق کا تعلق ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جملہ اشیاء کو عدم محض سے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا عینیت کا تصور باطل ہے۔ ان میں مکمل دوئی ہے۔ ذات خداوندی کا عرفان انسان کی عقل و فہم، ادراک و مشاہدہ اور وجدان سے ماوراء ہے۔ بقول شاعر ؏

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی طرح بھی اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کو سمجھ نہیں سکتا۔ ذات خداوندی اور اس کے ساتھ صفات

Marfat.com

خداوندی ہر حیثیت سے وراء الوراء ہیں۔

.. سبحانہٗ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب اس امر کا نہایت قطعیت کے ساتھ فیصلہ کر دیا کہ ذات و صفات خداوندی کا عرفان انسان کے لئے ناممکن ہے تو اس کے ساتھ انھوں نے یہ بھی فرما دیا کہ تصوف کا مقصد عرفانِ ذات وصفات نہیں بلکہ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس ہے۔

چونکہ شیخ مجدد نے نظریۂ وحدت الوجود کی تردید کشف وشہود اور روحانی تجربات کی بنا پر کی تھی۔ اس لئے صوفیہ کے حلقوں سے ان کی مخالفت کی جرأت کسی کو نہ ہو سکی۔ بعض حضرات نے تو اُن کے نظریہ کی تائید کی اور وہ اس کی اشاعت میں لگ گئے اور بعض نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "فیصلہ وحدت الوجود و الشہود" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں مختلف دلیلوں اور مثالوں سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ شیخ عربی کا "نظریہ وحدت الوجود" اور شیخ احمد سرہندیؒ کا نظریہ "وحدت الشہود" ایک ہی چیز کی دو مختلف تشریحات ہیں۔ لہٰذا بنیادی طور پر ان میں کوئی اختلاف نہیں لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیصلہ کے بعد بھی یہ اختلاف باقی رہا۔ اور شیخ احمد سرہندیؒ کے متبعین نظریہ وحدت الشہود کی مزید تشریح و تاویل اور اشاعت کرتے رہے۔

Marfat.com

اور بعض بزرگوں نے شاہ ولی اللہ کی اُن توجیہات ہی کو رد کر دیا جو انھوں نے دونوں نظریوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے کی تھیں پہلے گروہ میں خواجہ ناصر عندلیب اور خواجہ میر دردؔ اور دوسرے گروہ میں مرزا مظہر جان جاناں اور مولانا غلام یحییٰ بہاری ہیں۔

خواجہ ناصر عندلیب نے تو اس سلسلہ میں صرف یہ کہا۔

"وحدۃ الوجود سراسر غلط ہے اور وحدۃ شہود
• قرین صواب، گو حال اور کیفیت کے اعتبار سے دونوں
کا منشا ایک ہو یعنی ماسواء سے نظر کا ہٹ جانا۔"

(نالۂ عندلیب)

لیکن ان کے صاحبزادے خواجہ میر دردؒ نے اپنے والد بزرگوار کی طرح وحدۃ الوجود کو غلط تو نہیں بتایا البتہ اس کی دوسری تاویل کر کے عینیت کے نظریہ کو رد کر دیا۔ انھوں نے اپنے رسالوں "واردات درد اور علم الکتاب" میں کسی قدر وضاحت سے اس پر اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"وحدت الوجود کے فقط یہ معنی ہیں کہ موجود بالذات صرف وہی ہے اور یہ معنی نہیں کہ واجب اور ممکن کی ماہیت ایک ہے۔ اور عبد اور معبود ایک دوسرا کا عین ہیں۔ اور کلی طبیعی کی طرح اپنے افراد میں موجود ہے، کیونکہ یہ سراسر زندقہ ہے .... مذہب میں توحید وجودی کی بایں معنی کوئی اہمیت نہیں کہ وجود موجودات

Marfat.com

میں ساری ہے کیونکہ کثرت میں وحدت جو عوام کی زبان پر ہے اور ہر ہندو جوگی بھی اس پر گفتگو کرتا ہے۔ نیز اس کے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں ہے۔ بالکل مبتذل مسئلہ ہے جو ذرا سمجھانے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی بعثت کا مقصود نہیں ہو سکتا۔

"وحدت الشہود کے یہ معنی ہیں کہ ذاتِ واجب کے بغیر موجودات ممکنہ کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور موجودات اسی ایک ذات کے نور سے موجود ہیں۔ ۔ ۔ ۔ "کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہ" کے مطابق ہمہ از اوست کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے اس لئے ہمہ اوست غلط ہے اور ہمہ از اوست صحیح ہے ۔ ۔ ۔ ۔ نتیجہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ نفس الامر کے اعتبار سے باطل ہے۔ وحدت شہود حق ہے لیکن کیفیت اور حال کے اعتبار سے دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی قلب کا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد کرنا۔"

دوسرے گروہ میں مولوی غلام یحییٰ بہاری نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے موضوع پر نہایت شد و مد سے بحث کی ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی توجیہہ کو کلیتاً رد کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدۃ وجود اور وحدۃ شہود حقیقت اشیا اور حادث و قدیم کے مابین ربط کو ظاہر کرتے ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں"

Marfat.com

دونوں کا مطلب ایک ہی ہے سراسر
غلط ہے اور دونوں مسلکوں کے درمیان کوئی تطابق کسی طرح
ممکن نہیں کیونکہ وحدۃ وجود کی بنیاد عالم اور موجد عالم
کے مابین عینیت پر ہے اور وحدۃ شہود کی رو سے واجب اور
ممکن کے درمیان غیریت محض ہے۔"

غرض شیخ مجدد کے اثر سے یہ مسئلہ صوفیہ کے مابین بحث کا ایک اچھا موضوع بن گیا جو لوگ نظریہ وحدت الوجود کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے ان کو بھی اس میں ترمیم ضرور کرنی پڑی پھر بھی یہ مسئلہ سلجھنے کی بجائے اُلجھا ہی رہا۔ آج بھی ان نظریات کی توضیح و تشریح مختلف طریقوں سے کی جا رہی ہے لیکن ہر وضاحت الفاظ کی بازی گری معلوم ہوتی ہے۔ وحدت الشہود کا نظریہ اسلامی شریعت سے کچھ نہ کچھ مطابقت رکھتا بھی ہے۔ کیونکہ وہاں اُسے ایک کیفیت کہہ کر اعتراض سے خود کو محفوظ کر لیا جاتا ہے لیکن "وحدت الوجود" کے قائل اگر عالم اور موجد عالم کے مابین عینیت کو حقیقت نفس الامری کے طور پر پیش کریں تو شریعت اسلامیہ سے اُن کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو محض ایک کیفیت اور روحانی مشاہدہ قرار دے دیں تو وہ تفصیلات، وہ لمبی چوڑی بحثیں اور وہ صغریٰ و کبریٰ جو اس کو حقیقت ثابت کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ بیکار ہو جاتی ہیں۔ اور ان دونوں اصطلاحوں کا تعلق راہ سلوک کے دو مدارج سے رہ جاتا ہے جن کو دو قلبی کیفیات کہہ کر مسئلہ کو نمٹا دیا جائے۔

Marfat.com

نتیجۃً حقیقت و اصلیت الوہیت و وحدانیت کو تسلیم کرنا پڑے جو اسلامی تعلیم کی اساس ہے۔ سچ پوچھئے تو ان مسائل کا حل اسلام کی اس سیدھی سچی تعلیم میں ملے گا۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(ترجمہ) اللہ تعالٰی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کی کنجیاں اُس کے پاس ہیں اور جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں وہی گھاٹے میں ہیں۔

غرض زوالِ امت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ نظریہ بھی تھا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تک پہنچتے پہنچتے اس نظریہ نے کچھ ایسی شکل اختیار کر لی کہ اُن کو اس کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔ انہوں نے اپنے روحانی تجربہ کو بنیاد بنا کر اس نظریہ کی تردید کی اور یہ بتایا کہ تصوف میں اگر اس نظریہ کو کوئی مقام حاصل ہے تو اس حد تک کہ یہ اولیاء اللہ کی ایک قلبی کیفیت ہے جس میں انہیں خدا اور کائنات میں عینیت کا احساس ہوتا ہے ورنہ فی الحقیقت ان میں خالق و مخلوق کا تعلق ہے۔ اور اس لئے اُن کو ایک دوسرے کا غیر سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ حضرت مجددؒ کے نزدیک یہ توحید صرف ایک مشاہدہ کی چیز تھی اس لئے انہوں نے اس کو توحید شہودی کا نام دیا۔

حضرت مجدد سرہندی کے اثر سے اگرچہ توحید وجودی کے نظریہ کی شدت میں کچھ کمی ہوگئی لیکن اُس کو سینہ سے لگانے والے حضرات

Marfat.com

اس کے بعد بھی کثیر تعداد میں موجود رہے۔ حالانکہ اس نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انہیں بہت سی تاویلات کرنی پڑیں اور بہت سے منطقی مغالطوں سے کام لینا پڑا لیکن اس کو ترک کرنے پر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ بہت سے حضرات کا اب بھی یہ عقیدہ ہے کہ اس نظریہ کو مانے بغیر نہ انسان کو معرفت حاصل ہوتی ہے نہ وہ نجات کا مستحق ہوتا ہے۔

توحید وجودی کے نظریہ کے علاوہ تصوف نے اور بھی کئی چیزیں فلسفہ نو اشراقیت سے مستعار لی ہیں۔ اس سلسلہ میں "فلسفہ ہند و یونان" مولفہ دین محمد شفیقی عہدی پوری کا ایک قدرے طویل اقتباس پیش ہے۔

> "اسکندریہ (مصر) میں مشرق و مغرب کے افکار کے امتزاج نے جہاں عوام کو متاثر کیا وہاں سب سے پہلے ان سے عیسائیت اثر پذیر ہوئی اور پھر مسلمان بھی اس کے تاثر سے نہ بچ سکے۔ افلاطونیت جدیدہ کا مختصراً ما حصل یہ ہے۔
>
> وجود یگانہ ہے۔ یہ عالم دیگر عوالم کے واسطے سے اس سے نکلا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ حقیقت یگانہ تمام خوبیوں سے برتر، حیات سے برتر، افکار سے برتر، غیر متحرک اور موجودات کی علت حقیقی ہے۔ وہ جیسی بھی ہے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ عقل و ادراک سے برتر ہے لیکن اس کے فیض کا ادراک کر سکتے ہیں۔ اس کا پہلا فیض جو کامل بھی ہے اور جاوید بھی، عقل کل ہے۔ عالم ناپدید ہے اور اس کی

Marfat.com

تفسیر نفس کل ہے عقل کُل نفسِ کل پر پرتو ڈالتی ہے اور اسے تابندہ بنا دیتی ہے۔

نفوس الٰہی نفس کل کا پرتو، مجرد اور پاک ہوتے ہیں۔ اور چونکہ عالم محسوس سے ملحق ہیں۔ تصور یا ارادہ نیک کو نیک اعمال سے توام کر کے جلد ہی اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور بعض عرصہ دراز تک مادہ کے جال میں گرفتار رہتے ہیں۔ جو لوگ وقتی لذتوں اور شہوات سے بے اعتنا ہوئے انہیں نجات حاصل ہو گئی انہیں تین مراحل ذیل طے کرنے پڑتے ہیں:۔

مرحلۂ اول:۔ حُسن سے محبت بالخصوص حُسنِ آواز سے۔ جب ان کے کان اور ہوش آوازوں کے توازن اور نظم سے پوری طرح آشنا ہو جاتے ہیں تو وہ دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتے ہیں۔

مرحلہ دوم:۔ دوسرے مرحلہ میں وہ حسین اجسام سے عشق کرتے ہیں۔ جسم سے مراد ہر قسم کا جسم ہے یعنی خواہ صورت جسمانی ہو یا محسوسات۔ جب اُن کی آنکھیں اور ہوش حُسن کے توازن اور نظم سے پوری طرح آشنا ہو جاتے ہیں، تو وہ تیسرے مرحلہ میں داخل ہوتے ہیں۔

مرحلہ سوم:۔ اس مرحلہ میں وہ حسن کو عقل اور صداقت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور اس سے لذت پذیر ہوتے ہیں۔ جب ہر مرحلہ میں کمال حاصل کر لیتے ہیں تو مقصود کو پا لیتے ہیں۔

متصوفین نے یہیں سے مراحل سلوک لیے ہیں جنہیں انہوں نے

Marfat.com

سے نئے الفاظ و اصطلاحات کا جامہ پہنا کر اسلامی بنا لیا ہے۔ متصوفین کے مراحل سہ گانہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) فنا فی الشیخ۔

(۲) فنا فی الرسول۔

(۳) فنا فی اللہ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مراحل سہ گانہ اسلامی نہیں ہیں بلکہ افلاطونیت جدیدہ سے لے کر اسلام میں داخل کئے گئے ہیں۔

درحقیقت ہمارا تصوف افلاطونیت جدیدہ سے بہت زیادہ متاثر ہے، اور یہی فلسفہ اس کا تار پود ہے۔

تصوف اسلام کے ماخذ (۱) اس کی مختصر تاریخ اور اس کے ارتقاکی اس بحث کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ تصوف کا ڈھانچہ کس طور پر قائم ہے اور اس کا مقصود اصلی اور منتہائے نظر کیا قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ توحید وجودی کا نظریہ وہ محور ہے جس کے گرد یہ پورا نظام گھومتا ہے اس لئے اسی کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا مناسب ہے۔

توحید وجودی کا نظریہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ اب اس کی فلسفیانہ توجیہہ و تاویل بیان کی جاتی ہے۔ توحید وجودی کے نظریہ کو ماننے والوں کا کہنا ہے کہ

وجود ایک ہے۔ ابتداً وہ بسیط اور غیر معین تھا یعنی مقام جہت سے ماورا یہ وجود ہی ذات خداوندی تھا جو لاتعین ہونے کی وجہ سے پہچانا

Marfat.com

نہیں جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا جس کا اظہار ضروری ہوا۔ لہٰذا جب اس وجود نے چاہا کہ اپنے کو خلوت سے جلوت میں لائے اور اجمال کو تفصیل میں ظاہر کرے تو اس نے تعینات اور تنزلات کے ذریعہ کائنات کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات و صفات پر دلالت ہو۔ حدیث قدسی "کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببت اَن اُعرف فخلقت الخلق" (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے خلق کو پیدا کیا) کے ذریعہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا۔

اس وجود اصلی اور ذات لاتعین نے اپنے اسماء و صفات کو تنزلات کے چھ مراتب سے گزار کر انسان کو صورت پذیر کیا۔ ان چھ مراتب کو تنزلات ستّہ کا نام دیا جاتا ہے۔

مرتبہ اولیٰ میں وہ ذات مجرد اور مطلق ہے اسی کو مرتبہ احدیت کہتے ہیں اس کا مقام ھُوٗ اور عالم ھاھوت ہے۔

مرتبہ ثانیہ جس کو تنزل اول یا تعین اول کے نام سے موسوم کرتے ہیں مرتبہ وحدت ہے۔ یہ تعین حق سبحانہٗ تعالیٰ کا علم اپنی ذات و صفات اور تمام موجودات کے لئے اجمال کے طور پر ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کو حقیقت محمدی کہا جاتا ہے اور عالم لاہوت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی ذات اللہ ہے۔

مرتبہ ثالثہ جس کو تنزل دوم یا تعین دوم کہا جاتا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ کا اپنی ذات و صفات اور تمام موجودات کے لئے تفصیل کے طور پر علم ہے یہیں پہنچ کر تمیز و امتیاز ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ واحدیت ہے اس کو حقیقت

Marfat.com

انسانی اور اعیان ثابتہ بھی کہا جاتا ہے یہ تعین عالم جبروت میں پہنچا دیتا ہے۔ خواجہ میر درد نے اپنے اس شعر میں اسی عالم کی خبر دی ہے ؎

ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا　　اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

تنزل کے ان مرتبوں کو قدیم کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہ بتانا ممکن نہیں کہ ان میں مقدم کونسا ہے اور موخر کونسا اور اسی لئے ان کو محض عقلی اور بیانی سمجھنا چاہیئے اور الآن کما کان کے بموجب وہ ذات جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہے۔ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا نہ تغیر ہونا ممکن ہے۔

ان مراتب کو مراتب الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے اور ان میں تنزل اور تعین کے الفاظ حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے! ان کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ جب ذات کا بہ حیثیت مجموعی صفات سے متصف ہونا ملحوظ ہو تو اس کو لاہوت کہدیا جاتا ہے اور جب تفصیل وار جدا جدا صفت سے متصف ہونا ملحوظ ہو تو اس کو مرتبۂ جبروت سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

مرتبہ رابعہ: جس کو تنزل سوم یا تعین سوم کہا جاتا ہے۔ مرتبۂ عالم ارواح ہے۔ اس سے مراد اشیائے کونیہ ہے جو مجرد اور بسیط ہیں۔ اس مرتبہ کو عالم ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کو روحوں اور فرشتوں کی دنیا اور عالم غیب بھی کہتے ہیں۔

مرتبہ خامسہ جو تنزل چہارم یا تعین چہارم ہے دراصل عالم مثال ہے یہ وہ اشیائے کونیہ ہیں جو مرکب اور لطیف ہیں اور ان میں تجزیہ تقسیم، جمع اور ترکیب کے اصول کارفرما نہیں ہوتے۔ یہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان

Marfat.com

ایک برزخ ہے۔

مرتبہ سادسہ: جس کو تنزل پنجم کہا جاتا ہے عالم ناسوت ہے۔ اس سے مراد اشیاء کونیہ مرکبہ کثیفہ ہے جس میں تجزیہ تقسیم ترتیب اور ترکیب سب کچھ ممکن ہے اس عالم کو عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے۔

مرتبہ سابعہ تنزل ششتم ہے۔ اس میں انسان مظہر اتم و اکمل صفات الٰہی ہو کر سامنے آتا ہے۔

تنزل سوم۔ چہارم اور پنجم کو مراتب امکانی کہا جاتا ہے۔

یہ تمام بحث اتنی نازک ہے کہ اس کو سمجھنا اور مختلف مراتب کے درمیان تعلق قائم کرنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں۔ اسی لئے طرح طرح کی تاویلیں کی جانے لگیں اور چونکہ تمام تنزلات اور تعینات کا آغاز وجود مطلق یا ذات لاتعین سے کیا جاتا ہے اس لئے وحدت الوجود یا توحید وجودی کی اصطلاح کی تشریح و تفسیر میں کافی موشگافیاں کرنا پڑیں اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ افراط و تفریط میں پڑ گئے۔

بعض حضرات نے تعینات اور تنزلات اسی ذات واحد کے اظہار قرار دے کر صرف اسی ذات کا اثبات کیا ہے اور نہایت فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا ہے کہ وجود درحقیقت ایک ہے اور جملہ اشیاء اسی وجود کے اندر ہیں یا جملہ اشیاء میں وہی وجود جاری و ساری ہے لہٰذا ماسوا کچھ نہیں اس ہستی مطلق کی حیثیت ایک بحر ناپیدا کنار کی سی ہے جس کی سطح پر بلبلے بھی پیدا ہوتے ہیں اور لہریں بھی اٹھتی ہیں لیکن ان بلبلوں اور لہروں کو ان کے

Marfat.com

مرئی ہونے کے ... دیگر سے علیحدہ کوئی چیز نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا ہستی مطلق اور جملہ موجودات ایک ہی ہیں۔ اور ان میں عینیت کا تعلق ہے۔ یہی نظریہ وجودیت یا ہمہ اوست کا نظریہ کہلاتا ہے۔ اس نظریہ کو ماننے والے اس مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ ماسوا اللہ اور غیر اللہ کہنا بھی ناجائز بلکہ کفر سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب وجود کو ایک مان لیا گیا تو پھر اس کے سوا اس کا غیر کیا باقی رہ گیا۔ لہٰذا ماسوا اللہ اور غیر اللہ کا تصور دوئی کو مستلزم ہوا جو یقیناً شرک ہے۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جملہ ممکنات یا اشیاء ذات احدیت کا عکس ہیں اور چونکہ عکس ذات سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ عکس کا تصور ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ذات کا تصور کیا جائے لہٰذا وجود ایک ہی ہے۔ اور جملہ اشیاء اسی کے اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔

ایک تیسرے گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ ممکنات کا وجود اس کے سوا کچھ نہیں کہ "وہ علم میں موجود ہیں اور کائنات کا وجود کون وحصول کے سوا کچھ نہیں۔ پھر چونکہ کون وحصول خالص وہم ہیں اس لئے ممکنات بھی وہم سے زیادہ کچھ نہیں لیکن آیۂ کریمہ "صنع اللہ الذی اتقن کل شئی" (یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے کہ ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے) کی بنیاد پر اشیاء موہوم ہونے کے باوصف معدوم نہیں کہی جاسکتیں اور وہم کے ارتفاع سے ان کا ارتفاع لازم نہیں آتا۔ گویا اشیاء کائنات موہوم تو ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ قوی بھی ہیں۔ بقا کے اعتبار سے موہوم قوی کی حیثیت وہی ہے جو موجود ضعیف کی۔ علماء اشیاء کو موجود ضعیف مانتے ہیں اور لفظ وہم سے اجتناب کرتے ہیں۔

Marfat.com

صوفیاء اشیاء کو موہوم تو قرار دیتے ہیں اور وہم کے ارتفاع کے باوجود اس کے عدم ارتفاع کے قائل ہیں۔ اس طرح علماء اور صوفیہ ایک سطح پر آجاتے ہیں۔ اور ان کے درمیان محض لفظی اختلاف رہ جاتا ہے۔ بہرکیف صوفیہ کے اس نظریہ کو ماننے سے اشیاء کلی طور پر موہوم قرار پاتی ہیں اور موجود صرف ایک ذات رہ جاتی ہے اور وہ ذات احدیت ہے اور اس لئے وحدت الوجود کہنے میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ

"وحدت الوجود کے ماننے والوں کے شیخ الرئیس یعنی شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اس وہم کے عدم ارتفاع میں بے انتہا مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور اس کا رفع ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں سمجھتے اور ناقص لوگوں کی ایک جماعت جو خود کو ان کا پیرو سمجھتی ہے، ان کے مقصد کو نہ پاکر اس وہم کے رفع کی قائل ہو گئی اور ایک عالم کو الحاد و زندقہ میں مبتلا کر دیا۔"

توحید وجودی کے نظریہ کو اس طرح بھی سمجھایا گیا ہے کہ وجود مشترک جو ماہیت واحدہ ہے اور ایجاد حق کا ظل ہے سب وجودوں میں مشترک ہے اور کوئی وجود یا اس کا جزو دوسرے سے مختلف بالماہیت نہیں صرف آثار و عوامل کا اختلاف ہے۔ ایجاد حق کا تعلق اس فیضان میں سب کے ساتھ یکساں ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے اشیاء میں وحدت وجود کہہ سکتے ہیں۔

Marfat.com

ذات وصفات اور کائنات کی اس مختصر بحث کے بعد تصوف الٰہی کی مسائل کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ

تصوف کے بنیادی تصورات دو ہیں (۱) اخلاص فی العبادات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روح کو بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں جو غیر مادی لیکن قابل فہم حقائق ہیں (۲) علم القلب سے روح کو معرفت حاصل ہوتی ہے جو حاصل شدہ فوائد کی منشا کی موافقت پر دلالت کرتی ہے۔

صوفیہ کا خیال ہے کہ علم القلب ایک حرکی قوت ہے اور اس کے ذریعہ صوفی راہ سلوک میں گامزن ہوتے ہیں۔ اس راہ میں ان کو بعض مقامات احوال سے گزرنا پڑتا ہے جس سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اور مزید فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ سلوک کی مختلف کیفیتوں کے لئے بعض اصطلاحیں مخصوص ہو گئی ہیں۔ جیسے توبہ۔ دعا۔ صبر۔ توکل۔ رضا۔ شکر۔ خوف۔ رجا۔ ذکر وغیرہ۔ راہِ سلوک میں انفرادی طور پر جو اختلافات رونما ہوتے ہیں ان سے قطع نظر کر کے حضرات صوفیہ صرف اس بات کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ منتہائے مقصود اصلی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ماسوا سے تعلق منقطع کر کے روح اس وجود حقیقی سے واصل ہو جائے جس کے لئے وہ بے چین ہے اس منزل پر پہنچ جانے ہی کو واصل الی الحق کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کیفیت و حالت کو بیان کرنے کے لئے معمولی الفاظ ناکافی ہوتے ہیں۔ اس لئے صوفیہ نے عام الفاظ کو بعض مخصوص معنوں میں استعمال کیا"

Marfat.com

صوفیاء اشیاء کو ... وجود بھی بعض حالتوں میں مفہوم پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔ چنانچہ توکل معرفت۔ فنا۔ بقا وغیرہ الفاظ کے صحیح مفہوم کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اپنے روحانی تجربوں کے دوران ان کیفیات سے گزر چکتے ہیں۔

ایک گروہ تصوف کا مقصد معرفت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ معرفت کا حصول فنا پر منحصر ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ فنا ایک درمیانی منزل ہے اس سے آگے بڑھ کر معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت مجدد سرہندیؒ کا کہنا ہے کہ "جن جن معنوں میں معرفت کے لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے وہ ذات وصفات خداوندی کے لیے ممکن نہیں اس لیئے کہ وہ ذات اور اس کی جملہ صفات انسان کی عقل وخرد اور وجدان سے وراء الوراء ہیں۔ اصل معرفت یہ سمجھ لینا ہے کہ کسی طرح اس ذات اور اس کی صفات کا عرفان ممکن نہیں اور جب معرفت کی حقیقت صرف اس قدر رہ گئی تو پھر تصوف کا مقصد معرفت کو قرار دینا ٹھیک نہیں بلکہ اس کا مقصد تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس ہے۔

راہ سلوک طے کرتے وقت صوفی کو چار منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے جن کو تصوف کی اصطلاح میں سیور اربعہ کہا جاتا ہے۔ سیور سیر کی جمع ہے یعنی اس راہ میں صوفی کو چار سیریں نصیب ہوتی ہیں۔ (۱) سیر الی اللہ۔ (۲) سیر فی اللہ (۳) سیر عن اللہ باللہ۔ (۴) سیر فی اشیاء باللہ۔

۱۔ سیر الی اللہ۔ سالک کو اس سیر کے دوران اپنی توجہ اپنی ذات اور کائنات سے ہٹا کر ذات خداوندی پر مرکوز کرنا پڑتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر

Marfat.com

وہ اسماء وصفات الٰہی کے ظلال (موجودات) سے اسماء وصفات الٰہی کی طرف بڑھتا ہے اور آخرکار ممکنات کے علوم طے کرکے اور کلی طور پر ان کے فنا ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک رسائی پا لیتا ہے۔ اسی کو فنا کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس فنا کو فنائے وجودی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ وحدت سے کثرت میں تنزل واقع ہوا ہے اس لئے دوسری مرتبہ کثرت کلی طور پر یا اس کا کچھ حصہ عروج کرکے اُس وحدت میں فانی اور مستہلک ہو جاتا ہے جس طرح پانی کے چند قطرے دریا سے علیحدہ کر لئے جائیں اور پھر دریا کے پانی میں ملا دیئے جائیں۔

حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو ماننے کے بعد آدمی زندقہ میں جا پڑتا ہے۔ دراصل فنا سے مراد فنائے شہودی ہے یعنی کثرت تمام کی تمام نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور سوائے ایک کے اور کوئی شئے بھی مشہود نہیں رہتی۔

اصغرؔ اس کیفیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

جو نقش ہے ہستی کا دھوکہ نظر آتا ہے
پردے پہ مصوّر ہی تنہا نظر آتا ہے

دوسرے لفظوں میں اس بات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ سالک جب سیر الی اللہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اپنی صفات بشری کو ایک ایک کرکے ترک کرتا جاتا ہے۔ اپنی خواہشات، اپنے ارادے، اپنی تمنائیں اور اپنی آرزوئیں مٹا دیتا ہے اور اس طرح وہ دنیاوی اعتبار سے مرجاتا ہے۔

Marfat.com

"موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے ہی مرجاؤ) سے اسی نوع کی موت کی طرف اشارہ ہے خواجہ میر درد اس موت کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

۲۔ سیر فی اللہ۔ فنا کے بعد سالک اسماء و صفات کی حدود میں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے اسماء، شیون، اعتبارات، تقدیسات و تنزیہات میں سیر کرتا ہے۔ اب گویا خدائی صفات اس کی رہبری کرتی ہیں اور وہ بقا باللہ کے مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے۔ یہیں اس کے نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے (نفس مطمئنہ) اور یہیں اس کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اب وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں کرتا بلکہ وہ کلیتاً اللہ کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ غالب اس کو حسن مآل قرار دیتے ہیں ؎

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہوجائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا | درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہوجانا

سیر فی اللہ کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے بعض لوگ ہمیشہ اسی سیر میں رہتے ہیں خود کو ذات باری میں ہلاک کر دیتے ہیں اور مستہلکین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ عرف عام میں ان کو مجذوب کہا جاتا ہے۔

۳۔ سیر عن اللہ باللہ۔ بعض سالکین کو راجعین الی الدعوۃ کے مرتبہ پر سرفراز

Marfat.com

کیا جاتا ہے اور وہ خلق اللہ کی ہدایت کے لئے مخلوق کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کو مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری نہیں ہوتی خلق کی طرف توجہ کرنا ان کے لئے محض اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔

۴۔ سیر فی الاشیار باللہ: تیسری سیر میں مخلوق کی اصلاح کے دوران سالک کو اشیار کے علوم جو پہلی سیر کے دوران مٹ گئے تھے پھر یکے بعد دیگرے حاصل ہوجاتے ہیں اور سالک بہ ظاہر کلی طور پر مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے۔ اس کے تمام افعال عوام کی طرح دنیا کی مشغولیت سے متعلق ہوتے ہیں لیکن دل برابر دوست کی یاد میں لگا رہتا ہے۔ راہ سلوک کا یہی وہ انتہائی درجہ ہے جس کو عبدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جہاں پہنچ کر انسان کلیتہً تسلیم و رضا کا خوگر ہوجاتا ہے۔

عروج و نزول: سلوک کی ان چار سیروں میں سے پہلی دو کو عروج سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بعد کی دو سیروں کو نزول کہا جاتا ہے۔ بظاہر نزول عروج کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے لیکن حقیقتہً نزول، عروج کے بعد کا درجہ ہے اس لئے اس کو بلند سمجھا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ پہلی سیر یعنی سیر الی اللہ کے دوران سالک کائنات اور اپنی ذات سے توجہ ہٹا کر اس کو صرف خدا کی ذات پر مرکوز کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سیر کے اختتام تک سوائے ذات خداوندی کے سب چیزیں اس کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں۔ اس وقت اس کو ایک ہی ذات کا جلوہ نصیب ہوتا ہے اور خود کو بھی وہ اسی ذات کا ایک حصہ مشاہدہ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی

Marfat.com

تو وہ حیرت کے عالم میں یہ کہہ گزرتا ہے۔ سہ

اصل شہود شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اور کبھی بے خودی کے عالم میں "انا الحق" اور کبھی سبحانی ما اعظم شانی کے نعرے لگانے لگتا ہے۔ چنانچہ منصور اور بایزید بسطامی کا یہی معاملہ ہوا۔ دونوں میں ضبط کی کمی تھی۔ اس لئے اس قسم کی باتیں کر بیٹھے۔ بایزید تو بعد میں سنبھل گئے لیکن منصور اپنی بات پر قائم رہا اور قتل کر دیا گیا۔

یہ وہ مسائل تصوف ہیں جو صدیوں تک مسلمان معاشرہ کو متاثر کرتے رہے ان کی وجہ سے قلوب میں خدا اور خلقِ خدا کی محبت پیدا ہوئی۔ عصبیتوں میں کمی آگئی مزاجوں میں نرمی پیدا ہوئی۔ دنیا اور جاہ و مال کی رغبت کم ہو گئی جس کی وجہ سے بغض۔ حسد۔ عناد۔ نفاق وغیرہ کی آلائشوں سے دل بڑی حد تک پاک و صاف ہو گئے۔ لطیف جذبات۔ پاکیزہ خیالات اور حُسنِ عمل نے زندگی میں ایک گونہ نکھار پیدا کر دیا۔ جمالیاتی حس بیدار ہوئی اور ان سب باتوں نے مل کر فارسی اور اردو ادب و شاعری کو وہ لعل و جواہر عطا کیے جن سے بہ صورتِ دیگر یہ زبانیں محروم رہ جاتیں۔ سچ پوچھئے تو ان دونوں زبانوں کی شاعری میں تصوف کی وجہ سے جان پڑ گئی۔ اسی چیز کو دیکھ کر کسی حقیقت شناس نے کہا تھا "تصوف برائے شعر گفتن خوب است"۔ ظاہر ہے کہ تصوف کے مسائل شعراء کے دل کی انگیٹھی کو گرم نہ کرتے تو ایسے آبدار شعر اردو ادب کو کہاں سے نصیب ہوتے۔

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا — جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا

Marfat.com

اک عالم حیرت ہے فنا ہے نہ بقا ہے
حیرت بھی یہ حیرت ہے کہ کیا جانئے کیا ہے

اللہ رے ان کے جلوے کی حیرت فزائیاں
یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے

نظارہ بھی گم ہے بے خود ہے تماشائی
اب کون کہے اُس کو جلوہ نظر آتا ہے

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حُسن کی جلوہ گاہ میں

(اصغر گونڈوی)

اور یہ تو صرف ایک شاعر کے کلام کا اقل قلیل حصہ ہے اور اس میں بھی صرف ایک کیفیت بیان کی گئی ہے۔ تمام کیفیات سے متعلق اشعار دیئے جائیں تو یہ سلسلہ کافی دراز ہو جائے اور اگر تمام اردو شاعری کے گلزار پُر بہار کی گلگشت کو نکلا جائے تو اس قدر کثرت سے گلہائے رنگارنگ دکھائی دیں گے کہ گلچیں کو تنگیٔ داماں کی شکایت ہو جائے گی۔

اس تمام بحث سے جہاں مروجہ اسلامی تصوف کی کئی خوبیاں ظاہر ہوئیں یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ ہیچنس کی انسائیکلوپیڈیا سے اخذ شدہ نکات کا انطباق بڑی حد تک اس تصوف پر بھی ہوتا ہے اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ موجودہ شکل میں اسلامی تصوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں انفرادیت پائی جائے۔ بلکہ دوسری قوموں کے نظریات اپنے یہاں شامل کر کے اس نے بھی دوسرے مذاہب کے تصوف ہی کی شکل اختیار کر لی۔ اور چونکہ اس تصوف میں بہت سی غیر اسلامی باتیں شامل ہو گئی ہیں جن کی نشان دہی صدر میں کی گئی ہے۔ اس لئے ان باتوں کا تصادم دینی مسائل سے ہوتا ہے اور جب علماء ان پر گرفت کرتے ہیں تو متصوفین

Marfat.com

اپنے طریقہ پر ان کی تاویلات پیش کر دیتے ہیں۔ اور طبقہ علماء کو یہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر بیں ہیں اور مسئلہ کی روح کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اِن کی نظر پوست پر رہتی ہے، ہم مغز کو دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان بالغیب کے قائل ہیں۔ ہم اپنے نور باطن سے حقیقت و اصلیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اِن کی آنکھوں سے حقیقت چھپی ہوئی ہے۔ ہم اپنی دل کی آنکھوں سے اس کا ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے اس مسلسل پروپیگنڈے سے عوام میں بھی یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ صوفی کو ہر معاملہ میں عالم پر فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ حلت و حرمت کے معاملات بھی صوفی کو زیادہ معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو صوفی کی رائے کو ترجیح دینا ہو گی۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اس نظریہ کو رد کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "اور صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں ہے" اور صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ اُن کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور اُن کو ملامت نہ کریں اور اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی و ابو الحسن نوری کا عمل"۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

Marfat.com

"جن مسائل میں علما اور صوفیہ میں باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علما کی جانب معلوم ہوتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ علماء کی نظر تے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے اور صوفیاء کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے پس وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبہ ولایت سے اخذ کیا جائے کئی درجہ زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔"

بعض متصوفین کا یہ دعویٰ ہے کہ دین کی اشاعت علماء کے مقابلہ میں صوفیاء نے زیادہ کی ہے۔ چنانچہ یہ فقرہ زبان زد عام ہو گیا ہے کہ "ہندوستان میں اسلام علماء یا فرمانبرداؤں نے نہیں پھیلایا بلکہ صوفیا نے پھیلایا" لیکن یہ دعوی کرنے والے غالباً یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جن صوفیا نے واقعی اسلام پھیلایا وہ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ عالم بھی تھے اور جو صوفی علم دین سے ناواقف تھے ان کا پھیلایا ہوا اسلام اس قسم کا تھا جس قسم کا اسلام حضرت مولانا الیاس کاندھاوی کو میوات میں دکھائی دیا۔ وہاں کے لوگوں کا اسلام یہ تھا کہ ہر سال کے شاہ مدار کی قبر پر جاکر چھڑیاں چڑھائیں۔

اسی سلسلہ میں ایک اور نظریہ نے کافی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ وہ یہ کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے"۔ گویا ولی یا صوفی کو علماء سے بڑھاتے بڑھاتے نبی پر بھی فوقیت دیدی گئی۔ اور جب کسی نے

Marfat.com

اعتراض کیا تو اس کی تاویل یہ کر دی گئی کہ یہاں ولایت سے مراد نبی کی ولایت ہے۔ یعنی کسی نبی کی ولایت اُس کی نبوت سے افضل ہے اس لئے کہ ولایت کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوتا ہے اور نبوت کا بندوں کے ساتھ لہذا وہ تعلق افضل ہوا جو اللہ کے ساتھ ہے نہ کہ وہ تعلق جو بندوں کے ساتھ ہے۔" لیکن حضرت مجدد الف ثانی نے اس کی بھی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ "نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو۔" اس کی وضاحت وہ اس طرح کرتے ہیں۔

"بعض مشائخ نے سُکر کی حالت میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کی فضیلت کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں سینہ کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کر سکتے اور نبوت میں کمال شرح حاصل ہونے کے باعث نہ تو حق تعالیٰ کی طرف توجہ خلق کی طرف توجہ کی مانع ہوتی ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی مانع ہے نبوت میں صرف خلق ہی کی طرف توجہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ولایت کو جس میں کہ صرف حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اس پر ترجیح دیں۔ العیاذ باللہ صرف خلق کی طرف توجہ ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے۔ نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے اس حقیقت کا سمجھنا اہل سُکر کے لئے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال (اہل صحو) مشائخ اس فہم کے ساتھ ممتاز ہیں۔"

مانا کہ پیر یا شیخ طریقت کی تعظیم بھی ضروری ہے اور اس کے احکام کی پیروی بھی لازم ہے لیکن تصوف میں تعظیم شیخ کو بڑھاتے

Marfat.com

بڑھاتے فنافی الشیخ کی شکل دیدی گئی۔ راہ سلوک میں قدم رکھتے ہی شیخ کا تصور کرنا اور اس کی ذات میں فنا ہونا پڑتا ہے۔ اللہ کے تصور کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اگر شیخ کے تصور کے دوران ہی موت واقع ہو جائے تو اللہ کے تصور سے ہمیشہ کے لئے محرومی ہو گی جس کو حرمان و خسران کے سوا کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح پیر کے حکم کے ماننے میں بھی غلو سے کام لیا جاتا ہے۔ وہاں اس بات کی اجازت نہیں کہ اگر پیر کا حکم کسی غیر شرعی کام کے کرنے کے لئے ہو تو اس میں اس کی اطاعت نہ کی جائے۔ بلکہ ہر حالت میں سمع و اطاعت کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ حافظ شیرازی کا یہ شعر ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لئے اصل الاصول کا درجہ حاصل کر گیا ہے ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

راہ سلوک کے ایک ایسے راہ رو کا واقعہ ہے جو فنا فی اللہ کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ دین اور اللہ و رسول کی اتنی باتیں کرنے کے باوجود آپ نماز سے کیوں محروم ہیں تو اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے کہ "میرے ہادی اللہ نے مجھے نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔" اور جب ان سے استفسار کیا جاتا کہ یہ کیسے ہادی اللہ تھے جو اللہ کی عبادت سے روکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ملتا کہ "عبادت انسان کے لئے ایک خاص وقت تک ہے اس کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ جو لوگ فنا کے درجہ پر

Marfat.com

پہنچ جاتے ہیں اُن کے لئے نماز معاف ہے۔ میں بھی فنافی اللہ کے درجہ کو پہنچ چکا ہوں لہٰذا مجھے بھی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی" یہ استدلال پیش کر کے وہ اپنے ترک صلوٰۃ کا واقعہ سنانے لگے فرماتے" میں ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ میرے ہادی اللہ آگئے۔ میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے پوچھنے لگے" یہ کیا کر رہے تھے" میں نے کہا" نماز پڑھ رہا تھا" پوچھا" کیوں پڑھ رہے تھے ؟" میں نے جواب دیا" اللہ کا حکم ہے" دریافت کیا" اللہ کا کیا حکم ہے؟" میں نے کہا" اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" کہنے لگے" اس کا کیا مطلب ہے" میں نے جواب دیا" اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آجائے" پوچھا" کیا یقین کے معنی موت ہیں ؟" میں نے کہا" مفسرین یہی بتاتے ہیں" کہنے لگے" اچھا موت ہی سہی۔ مگر یہ تو بتاؤ موت کتنی طرح کی ہوتی ہے" میں نے جواب دیا" دو طرح کی۔ ایک روحانی۔ دوسری جسمانی" کہنے لگے کہ" جب روحانی موت بھی ہوتی ہے تو کیا اس شخص کے متعلق جو فنافی اللہ کے درجہ کو پہنچ گیا ہو یہ نہیں کہو گے کہ اس کی روحانی موت واقع ہو چکی ہے۔ اور تم بھی اس درجہ پر پہنچ چکے ہو اور تمہارا شمار مستہلکین میں ہے اس لئے تمہیں نماز کی کیا ضرورت رہی" میں اپنے ہادی اللہ کے اِس استدلال سے لاجواب ہو گیا لیکن میں نے پھر بھی یہ کہا" چونکہ اللہ کا حکم ہے اس لئے میں تو نماز کو ترک نہیں

Marfat.com

کروں گا۔" یہ سن کر وہ کسی قدر برہم ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے "اچھا پڑھ لینا دیکھیں گے کیسے پڑھتے ہو۔" میں نے اس کو ایک سرسری بات سمجھ کر نظر انداز کیا اور وقت پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا لیکن جیسے ہی نیت باندھی طبیعت میں ایک بےچینی سی محسوس ہوئی اور مجھے نیت توڑ کر اپنی حالت کو درست کرنا پڑا۔ پھر جب طبیعت ذرا قابو میں آئی تو دوبارہ نیت باندھی لیکن پھر وہی بےچینی شروع ہوئی اور نیت توڑنی پڑی۔ اسی طرح بار بار ہوتا رہا۔ مجبور ہو کر اس وقت کی نماز چھوڑی دوسرے وقت پھر ایسا ہی ہوا۔ آخر کار مجھے اپنے ہادی اللہ کے کہنے کے مطابق نماز بالکل ترک کر دینی پڑی۔ اور آج تک اس پر عامل ہوں۔"

حضرت مجدد الف ثانی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

"صوفیائے وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کے شائع کرنے کو ملاحظہ کریں تو انہیں چاہیئے کہ سنت کے خلاف امور میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ بنا کر امور مخترعہ (خود ساختہ امور) کو اپنی عادت نہ بنائیں۔"

حضرت مجدد صاحبؒ تو سنت کے خلاف بھی پیر کے اتباع کی ممانعت فرما رہے ہیں وہاں ترک صلوٰۃ تک کا "ہادی اللہ" خود حکم دے رہے ہیں۔ اور اپنے تابعدار مرید کو اس حد تک مجبور کر رہے ہیں کہ اسلام کے سب سے اہم رکن تک کو ان سے ہمیشہ کے لئے ترک کرا دیا۔

تصوف میں تصور شیخ کے بعد فنا فی الرسول کا درجہ آتا ہے

اس معاملہ میں مختلف صوفیہ کا مسلک مختلف دکھائی دیتا ہے۔ دارا شکوہ کے مرشد ملا شاہ قادری نورسول کی ذات سے اس درجہ بے نیازی کا اظہار فرما رہے ہیں کہ غیر مبہم الفاظ میں یہ کہہ گزرتے ہیں ؎

پنجہ در پنجہ خدا دارم — من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

غالباً وہ فنا فی الرسول کے مرحلہ سے گزر کر فنا فی اللہ کے مرحلے میں داخل ہو چکے تھے۔ اسی لئے اب انھیں مصطفےٰ کی (العیاذ باللہ) کیا پروا رہی تھی۔ اس لئے کہ یہ تو وہ مقام ہے جہاں ان ہی ملا شاہ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی ؎

در تماشاش فرضہا ہمہ رفت — چیست پرسیدن از نوافل ما

"حضوری حاصل ہونے کے بعد محویت دید اس قدر فزوں ہو جاتی ہے کہ فرض تک چھوٹ جاتے ہیں، ایسی صورت میں نوافل کا تو ذکر ہی کیا ہے۔"

بہر حال یہ تو فنا فی الرسول اور فنا اللہ کا ایک پہلو رہا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ رسول کی بارگاہ میں مودب رہنے کی خصوصی ہدایت ہے۔ جبکہ بارگاہ خداوندی میں شوخی اور گستاخی کر لی جائے تو مضائقہ نہیں۔ یہ مشورہ کسی ایسے ہی صوفی کا ہے "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

تیسرا پہلو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول نہیں بلکہ نعوذ باللہ خود اللہ ہیں۔ وہی تارک الصلوٰۃ صوفی جن کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک دن فرمانے لگے۔

"محمد ہی تو اللہ ہیں" جب ان سے اس کی وضاحت چاہی

Marfat.com

گئی تو کہنے لگے "دیکھو تعین اول ذات اللہ بھی ہے اور حقیقت محمدی بھی۔ پس محمدؐ اللہ ہیں۔"

یہ صغریٰ، کبریٰ اور نتیجہ معلوم ہونے کے بعد ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے۔"

ایک طرف تو تصوف کے یہ انتہائی نظریات ہیں دوسری جانب دین اسلام میں حضور سرور کائنات کے سلسلہ میں یہ احکام ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اقرار لازمی ہے۔ یہ اقرار زبان سے ہونا چاہیئے۔ اور دل سے اس کی تصدیق ہونی چاہیئے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حضور جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کے الفاظ بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں مایَنطق عن الھویٰ اِن ھُوَ اِلّا وَحیٌ یُوحیٰ۔ ایسی صورت میں آپؐ کے قول وفعل کے سلسلہ میں چوں وچرا کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔

۳۔ یہی نہیں کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو بھی فرض قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ جس کسی نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔"

۴۔ پھر ایک جگہ تو قرآن مجید میں یہ بھی فرما دیا گیا ہے۔ "وان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو

Marfat.com

تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔)

یہ ایسے واضح الفاظ ہیں کہ ان کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی مسلمان کا اِن باتوں پر یقین ہے تو وہ نہ تو یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ "من چہ پروائے مصطفےٰ دارم" (استغفر اللہ ومعاذ اللہ) اور نہ وہ حضور کو مسند الوہیت پر فائز کرنے کی کوشش کرے گا۔ حضور کا جو درجہ اللہ نے مقرر کر دیا ہے اُسی پر ایمان رکھے گا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور عبد ہیں۔ آپ کا ہر حکم چونکہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے اس لئے آپؐ کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے۔ جو لوگ اللہ کی محبت کا دعوٰی کرتے ہیں اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ کی اور صرف آپ ہی کی اتباع کریں۔ اس کے صلے میں اُن کو اللہ کی محبت نصیب ہو گی۔ اور ان سب باتوں کی روشنی میں حضورؐ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہوگا

ع۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تصوف میں ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں صوفی چار چیزیں ترک کر دیتا ہے۔ اس وقت اس کے سر پر "کلاہِ چار ترکی" رکھی جاتی ہے۔ اور غالباً ساتھ ہی خرقۂ خلافت بھی عطا کیا جاتا ہے۔ پہلے تو "کلاہِ چار ترکی" کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ البتہ یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ "کلاہ" تصوف کے کسی بلند مقام کی علامت ہو گی۔ لیکن ایک وقت جب بحرِ معرفت کے ایک غواص سے اس کی وضاحت چاہی

Marfat.com

تو انھوں نے بتایا کہ یہ کلاہ "چار چیزوں" کے ترک کر دینے پر عطا ہوتی ہے اور وہ چار چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ ترکِ دنیا ۲۔ ترکِ عقبیٰ ۳۔ ترکِ مولیٰ ۴۔ ترکِ ترک

ان میں تین باتیں ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ اور ترکِ ترک تو سمجھ میں آئیں لیکن ترکِ مولیٰ کا مفہوم آج تک سمجھ میں نہیں آیا۔ ترکِ دنیا اور ترکِ عقبیٰ تو اس کے لئے کیا گیا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتی تھیں۔ ترکِ ترک کا مطلب یہ ہوا کہ جب سب چیزیں ترک کر دی گئیں تو اب لفظ "ترک" بیکار ہو گیا۔ لہٰذا اس کو بھی ترک کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب "مولیٰ" کی محبت اور معرفت ہی میں یہ سب چیزیں ترک کی گئیں تو اب "مولیٰ ہی مولیٰ" ہونا چاہیئے۔ اس کے ترک کا کیا مقصد ہے۔ ممکن ہے اس کی بھی کوئی تاویل ہو لیکن یہ تاویل یقیناً ایسی دقیق ہو گی کہ جب تک دنیا اور عقبیٰ کو ترک نہ کر دیا جائے اس وقت تک اس کا سمجھ میں آنا ممکن نہیں۔

تصوف میں ایک اصطلاح "کلماتِ شطحیات" ہے اس کے بارے میں مشائخ قدس اسرارہم میں سے جس نے شطحیات کے طور پر کلام کیا ہے اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں۔ یہ سب کفرِ طریقت کے مقام پر ہوا ہے۔ جو کہ سکر و بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو لوگ حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے پاک و بری ہیں۔ اور باطن میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اقتدا کرتے ہیں اور

Marfat.com

انہی کے تابع رہتے ہیں پس جو شخص شطحیات کے طور پر کلام کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح رکھتا اور سب کو راہ راست پر خیال کرتا ہے اور حق (خدا) اور خلق (مخلوق) کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا تو اگر ایسا شخص مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا ہے اور ما سوئی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو وہ مقبول ہے اور اُس کی جو باتیں سُکر سے پیدا ہوتی ہیں ظاہر کی طرف پھیری گئی ہیں (یعنی اُن کی تاویل کی جائے گی۔) اور اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہوئے اور درجۂ کمال تک پہنچے بغیر اس قسم کی (سُکریہ) باتیں کرتا ہے۔ اور سب کو حق اور صراطِ مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے جس کا مقصود شریعت کو باطل کرنا ہے۔"

جب یہ بات مان لی گئی کہ "کلمات شطحیات" جو ظاہر شریعت کے مخالف باتیں ہیں، سُکر و بے تمیزی کے مقام پر ہوتی ہیں تو پھر سُکر و بے تمیزی کے مقام پر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اپنے اوپر سُکر کی کیفیت طاری کی۔ پھر یہ لوگ کس کے تتبع میں یہ کیفیت طاری کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ کس کے لئے تاویل کی جائے اور کس کو زندیق اور ملحد قرار دیا جائے حسین ابن منصور حلاج کا معاملہ سب کے سامنے ہے۔

Marfat.com

اس کے زمانے میں لوگوں نے اس کو زندیق اور ملحد سمجھ کر قتل کیا اور بعد میں کچھ لوگوں نے اُسے ولی اللہ قرار دیا اور بعض نے گمراہ۔ یہ مسئلہ آج بھی مابہ النزاع ہے۔ غالباً اتباع رسول ؐ سے گریز ہی کے سبب اس کو یہ سزا ملی۔

تصوف ہی کی بدولت ایک اور مسئلہ پیدا ہوا جس کا سہارا لے کر لوگوں نے بے راہ روی اور عیاشی کو خوب فروغ دیا۔ یہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (مجاز حقیقت کا پل) کا پُرپیچ راستہ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ عشق حقیقی تک پہنچنے کے لئے عشق مجازی کے مرحلے سے ہو کر گزرنا ضروری ہے لیکن اس کی ضمانت کون دے گا کہ اس مرحلہ سے صحیح سالم گزر ہی جائیں گے۔ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ نفس کے غلبہ کے سبب انسان اسی پیچاک میں اُلجھ کر رہ جائے۔ اس کے علاوہ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ بعض عیاش لوگ بھی تصوف کے اس زریں اصول سے فائدہ اُٹھا کر اپنی دکان چمکاتے ہیں اور بوالہوسی اور کامجوئی کی تسکین کے لئے تصوف کا خرقہ زیب تن کر لیتے ہیں۔ جب اس سے ایک مفسدہ کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے تو اس کو بطور اصول کیوں اپنایا جائے۔ پھر شریعت میں اس کے لئے نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگیوں میں اس کی مثال ملتی ہے۔ اتباع رسول تو اسی صورت میں ہوگا کہ جو بات حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس سے اجتناب کیا جائے۔

Marfat.com

تصوف کے حلقوں میں جہاں اس طرح کے غلط عقائد و نظریات قائم ہوئے وہاں بعض شخصیتوں کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا گیا۔ اور اُن سے بعض بے بنیاد باتیں منسوب کر کے ان کو ضرورت سے زیادہ شہرت اور اہمیت دیدی گئی۔ اور اپنے لئے ان مفروضہ باتوں کو جائز قرار دے لیا گیا۔ ان میں سے بعض باتوں کو تو کشف و کرامات بتایا گیا اور بعض کو تصوف کے بنیادی اصول قرار دے کر اُن پر کاربند ہونے کی کوشش کی گئی ان میں سب سے پہلی شخصیت اویس قرنی کی ہے

کہا جاتا ہے کہ عہد رسالت میں کوئی بزرگ اویس قرنی نام کے تھے۔ کہاں کے تھے؟ اس جگہ کا صحیح تعین مشکل ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قرن، یمن کا کوئی شہر تھا وہی ان کا مولد و وطن تھا۔ بہرحال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نادیدہ عاشق تھے۔ اس عشق نے مسلک کی خاصیت اختیار کی اور اس کی شدت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے حد متاثر ہوئے ویس قرنی بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے بیحد خواہش مند تھے لیکن ان ، بوڑھی والدہ کی دیکھ بھال اور خدمت کے لئے ان کے علاوہ ئی نہ تھا۔ لہٰذا اُن کو اکیلا چھوڑ کر رسول اللہؐ کی خدمت میں نہیں سکتے تھے۔ اپنی اس مشکل سے حضورؐ کو مطلع کر کے انہوں نے آپؐ سے استفسار کیا کہ "میں اپنی والدہ کی خدمت میں رہ کر ان کی دیکھ بھال کروں یا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف

Marfat.com

صحابیت سے مشرف ہوں اور آپؐ سے فیض روحانی حاصل کروں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بوڑھی ماں کا سعادتمند فرزند دیکھ کر یہ کہلا بھیجا کہ آپ اپنی ماں کی خدمت میں رہیں کیونکہ یہ سب سے بڑی سعادت ہے اور اس کے ساتھ ہی یا بعد میں کسی وقت ان سے یہ بھی فرمایا کہ آپ میری امت کی بخشش کے لئے دعا کرتے رہیں"۔ چنانچہ یہ اجازت پاکر اویس قرنی اپنے وطن میں رہے اور وہیں بیٹھے ہوئے اسلامی تعلیم اور فیض روحانی حاصل کرتے رہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ حُبِ رسول میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ غزوہ اُحد کے موقع پر جب حضور کے دندان مبارک شہید ہوئے تو انھیں اس قدر صدمہ ہوا کہ شدت رنج والم میں پتھر اٹھا کر اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ واضح رہے کہ غزوۂ اُحد ۷ شوال ۳ھ کو ہوا اور وہ اس سے پہلے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تربیت آچکے ہوں گے۔ لہٰذا انھوں نے کم از کم ۸ سال حضورؐ سے فیض حاصل کیا اور اس مدت میں اس مرتبہ پر فائز ہوئے کہ ایک صوفی صاحب کے قول کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر قطب ارشاد تھے تو وہ قطب ابدال ہوئے اور یہ مرتبہ اُن کو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر حاصل ہو گیا۔ غایب میں رہ کر تربیت حاصل کرنے کا طریقہ سب سے پہلے انھوں نے اختیار کیا۔ لہٰذا انھیں کی نسبت سے اب یہ اویسی طریقہ کہلاتا ہے۔ اس طرح انہوں نے

Marfat.com

صوفیہ کے لئے یہ راستہ کھول دیا کہ وہ زمان ومکان کی قید سے آزاد رہ کر جس سے چاہیں جہاں چاہیں اور جب چاہیں فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ رحلت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ غالباً حضرت علیؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے اس لئے کہ جب حضرت علیؓ جنگ صفین کے لئے جا رہے تھے تو وہ ان سے ملے تھے اور جہاں ان کی ملاقات ہوئی اس جگہ وہ تیس سال سے مراقبہ میں تھے اور یہ مراقبہ غالباً حضرت علیؓ کی فوج کے گھوڑوں کے ہنہنانے سے ختم ہوا تھا۔

اویس قرنی کی عظمت اپنی جگہ لیکن ان کی اس داستان میں کئی باتیں فہم انسانی سے ماورا ہیں۔

اول یہ کہ جب وہ حب رسول میں اس درجہ سرشار تھے تو صرف ماں کی تنہائی کے خیال سے بارگاہ رسالت میں حاضری کی سعادت سے کیوں محروم رہے۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ماں کو بھی ساتھ لے جاتے۔ اس طرح خود بھی صحابیت کے مرتبہ پر فائز ہوتے اور ماں بھی صحابیات میں شامل ہو جاتیں۔ اگر ماں چلنے سے معذور تھیں تو انھیں اپنی پشت پر لاد کر لے جاتے۔ جو شخص عشق رسول میں اپنے دانت توڑ سکتا ہے اس کے لئے یہ مشقت کیا چیز ہے۔ بہر حال اگر کوئی اور شخص ایسا کرتا تو ہم اسے عذر لنگ کہتے معلوم نہیں صوفی حضرات ان کے اس فعل کی کیا تعبیر کریں گے۔ تاہم اس سے یہ ضرور ہوا کہ بجائے صحابی کے تابعی کہلائے اور غزوات میں شرکت، ہجرت،

Marfat.com

بیعت رضوان وغیرہ کی سعادتوں سے محروم رہے ماں کو غالباً تابعی کا درجہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں اس کو ماں کی خدمت کہا جائے گا، یا کسی اور نام سے یاد کیا جائے گا۔

دوسری بات یہ کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے یہ فرما دیا تھا کہ وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کے دل میں میری محبت، اپنے ماں باپ اور اپنی جان سے زیادہ نہ ہو تو آپ نے اویس قرنی کو اپنے اس ارشاد سے کیوں آگاہ نہیں فرمایا اور ماں کی خدمت کو اپنی صحبت کے فیض پر کیوں ترجیح دینے دی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے ساتھ خصوصی رعایت کی گئی تھی تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ دوسری رعایت یہ کیوں نہ کی گئی کہ اُن کو صحابہ کے زمرہ میں شامل کر لیتے۔ آخر بدر کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ کو حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑا تھا تو اُن کو شرکائے بدر کی طرح مالِ غنیمت سے برابر کا حصہ دیا تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اویس قرنی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے تو رسول اللہ سے اجازت طلب کی حالانکہ یہ ایک انتہائی مستحسن فعل تھا۔ لیکن خود سے اپنے دانت توڑ لینے کے ناجائز فعل کو بغیر اجازت حاصل کئے کر بیٹھے۔ تصوف کے حلقوں میں اس کی کیا تاویل و توجیہہ کی جائے گی؟

چوتھی بات یہ ہے کہ جب بارگاہ رسالت میں حاضری سے محرومی

Marfat.com

کے سبب وہ صحابی نہ کہلائے جا سکے تو قطب ابدال کیسے بن گئے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتنی بڑی جماعت میں سے تو کوئی بھی اس منصب پر فائز نہ ہو سکا۔ اور ان کو گھر بیٹھے یہ مرتبہ نصیب ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیس سال تک مراقبہ میں رہنے کا یہ صلہ تھا۔

غرض یہ اور اسی نوع کی بعض اور باتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اویس قرنی سے متعلق اکثر داستانیں قصہ گوؤں کی وضع کی ہوئی ہیں۔ اور ان کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مراقبوں اور مکاشفوں کو اسلام کی مجاہدانہ زندگی پر فوقیت دی جا سکے اور بعض صوفیوں کو اویسی طریقہ کی آڑ میں اپنے مرتبہ کو بلند کرنے کا موقع مل سکے نیز بعض ناقابل حل مسائل کے لئے ایک اطمینان بخش حل نکالا جا سکے۔ مثلاً حضرت بایزید بسطامیؒ کی ولادت حضرت جعفر صادقؓ کی رحلت کے تقریباً ربع صدی بعد ہوئی لیکن اویسی طریقہ پر وہ حضرت جعفر صادقؓ کے خلیفہ بن گئے۔

دوسری شخصیت حسین ابن منصور حلاج کی ہے۔ اس کے زمانہ کے علماء و صلحاء نے اس کو گمراہ اور ملحد قرار دے کر قابل گردن زدنی کہا لیکن بعض صوفیائے کرام نے اس کو بحر معرفت کا غواص بتا کر ان لوگوں کو ظالم قرار دیا جنھوں نے شریعت اسلامیہ کے مطابق اس کو قتل کی سزا دی۔ چنانچہ "حضرت مجدد الف ثانی" مولفہ حضرت شاہ زوار حسین رحمہ اللہ علیہ

Marfat.com

مرقوم ہے کہ "(حضرت) منصور (رحمتہ اللہ علیہ) اَنا الحق کہنے کے باوجود قید خانہ کی زنجیروں کے ساتھ جکڑے ہوئے ہونے کی حالت میں ہر شب پانسو رکعات نماز نفل ادا کرتے تھے اور وہ کھانا جو اُن ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال کے ذریعہ سے ہوتا تھا نہیں کھاتے تھے۔" حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرشد خواجہ عثمان ہارونیؒ تو منصور کے اس درجہ معتقد تھے کہ سرشاری کے عالم میں یہ تک کہہ گزرے سہ

منم عثمان ہارونی کہ یار شیخ منصورم ملامت می کند خلقے ومن بردار می رقصم

حسین ابن منصور حلاج کے حالات جب ہم اس کے ہمعصر یا قریب العہد مورخوں اور مصنفوں کی کتابوں میں پڑھتے ہیں تو اُس کی شخصیت اُس سے بالکل مختلف معلوم ہوتی ہے جو بعد کے زمانوں میں یا اس وقت بتائی جاتی ہے۔ وہ ولی اللہ کے سوا سب کچھ تھا۔ اس کو راہ راست پر لانے کے لئے سالہا سال کوشش کی گئی لیکن نہ صرف خود گمراہی سے باز نہ آیا بلکہ تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کو اُس نے اپنا پرستار بنا کر گمراہ کیا۔ ایسی صورت میں اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ علماء اور صلحا سے اس کے بارے میں فتویٰ لیا جائے جب سب نے اس کے قتل پر اتفاق کیا تو ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ کو سے قتل کر دیا گیا۔ فتویٰ دینے والوں میں ابوبکر شبلیؒ جیسے زاہد اور صاحب رشد و ہدایت بزرگ بھی تھے۔ منصور کے قتل کے وقت بغداد میں طبری اور مسعودی دونوں موجود تھے۔ اُن دونوں نے اُس کے مختصر حالات قلمبند کئے ہیں۔ مسعودی اپنی مختصر تاریخ التنبیہ والاشراف میں لکھتا ہے

Marfat.com

مضافات ملک فارس میں شہر بیضا کا باشندہ حسین بن منصور معروف بہ حلاج کے قتل کا واقعہ ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے سو کوڑے لگائے گئے۔ دونوں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، سر تن سے جدا کیا گیا اور لاش جلا دی گئی۔ یہ تمام واقعات پولیس کی جماعت کے روبرو قید خانہ کی فصیل پر انجام پائے۔ (یہاں قید خانہ کو عرف میں منزف کہتے ہیں) اس کی نسبت جو جو مذہبی باتیں ہر جگہ بیان کی جارہی تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ نہایت خطرناک تھا۔ اس کے متبعین اور پیروؤں کی تعداد بہت تھی۔ حلاج تصوف اور الوہیت کی باتیں کرتا تھا۔ حلاج کے مسلک و مذہب کے متعلق جو روائتیں ہمارے نزدیک صحت کی حد تک پہنچی ہیں یا جو کچھ خود اس نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ان باتوں کو ہم نے "ارباب النحل و روساء الملل" کے تذکرہ کے ذیل میں دوسری کتابوں میں بیان کیا ہے۔"

طبری کا بیان بھی اسی طرح کا ہے۔ محمد بن اسحاق ابن الندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں حسین ابن منصور حلاج کے حالات کسی قدر تفصیل سے دیئے ہیں۔ وہ حلاج کا ہمعصر تو نہیں تھا لیکن اسی صدی ہجری کا مصنف تھا جس صدی میں منصور کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ لہٰذا اس کو اپنے بڑوں سے اس کے حالات سننے کا موقع ملا۔ اس نے بعض ایسی تحریریں بھی پڑھیں جو ان مصنفین کی تھیں جنھیں اس واقعہ سے ذاتی طور پر واقفیت تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"میں نے ابو الحسین عبید اللہ بن احمد بن ابو طاہر کی تحریر"

Marfat.com

پڑھا ہے کہ حسین بن منصور حلاج ایک افسون گر اور شعبدہ باز آدمی تھا۔ صوفی منش تھا اور اس نے اپنے آپ کو انہی کے الفاظ سے آراستہ کر رکھا تھا۔ تمام علوم کا ماہر و عالم ہونے کا مدعی تھا۔ حالانکہ ان سب علوم میں بالکل کورا تھا۔ کیمیا گری سے کچھ واقف تھا۔ لیکن جاہل، متہور، بتنق اور سلاطین کے مقابلہ میں جسور تھا۔ بڑی بڑی سازشوں کا مرتکب اور حکومتوں میں انقلاب برپا کرنے کا خواہاں تھا۔ اپنے پیروؤں کے سامنے اپنی الوہیت کا دعویٰ کرتا اور حلول کا اظہار کرتا، بادشاہوں کے سامنے خود کو شیعہ اور عامہ (اہل سنت) کے سامنے صوفی منش ظاہر کرتا تھا۔ اور اس سلسلہ میں لوگوں سے کہتا۔

"اللہ نے مجھ میں حلول کر لیا ہے اور میں عین خدا ہوں۔"

اس کی کتابوں میں لکھا ہے کہ

"میں ہی قوم نوح کو غرق اور عاد و ثمود کو ہلاک کرنے والا ہوں۔"

جب اس کی یہ باتیں پھیل گئیں اور ہر جگہ اس کی شہرت ہو گئی اور سلطانِ وقت اِن واقعات کی صحت سے آگاہ ہو گیا تو اس نے اس کو کوڑے لگائے اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ بعد میں اُس کو آگ میں جلا دیا۔ یہ ۳۰۹ھ کے آخر کی بات ہے۔

اس کے بعد ابن الندیم نے اس کی گرفتاری کی وجہ بتائی ہے اور بتایا ہے کہ ۲۹۹ھ میں حلاج کی سرگرمیاں رنگ لائیں جس کی وجہ سے اس کو گرفتار کیا گیا اور دس سال تک یہ معاملہ چلتا رہا۔ آخر دس سال کے

Marfat.com

بعد جب اس کی اصلاح کی کوئی امید نہ رہی تو اس کو قتل کر دیا گیا
ابن الندیم نے آخر میں حسین ابن منصور حلاج کی، ۴۷ کتابوں کی فہرست دی ہے۔

منصور حلاج کے بارے میں نہایت معصومیت سے کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ کے درجہ کو پہنچ کر اس قدر بیخود اور مجذوب ہو گئے تھے کہ عالم سرشاری میں "انا الحق" کہہ گزرے، ظاہر بین ان کی اس باطنی کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔ اور ان ظالموں نے انہیں شہید کر دیا لیکن ابو ریحان البیرونی کی گرانقدر تصنیف "الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ" کے آٹھویں باب میں جہاں مدعیان نبوت کے حالات لکھے ہیں، نہایت واضح الفاظ میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ منصور نے اپنے یہاں باقاعدہ خدائی نظام قائم کر رکھا تھا اور وہ اپنے پرستاروں سے اسی طرح تخاطب کرتا تھا۔ جس طرح خدا بندوں سے کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب ہذا کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"المقنع کے بعد ایک شخص صوفی منش فارسی النسل ابو الحسن بن منصور الحلاج پیدا ہوا۔ سب سے پہلے اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں کوہ طالقان میں واقع ویلم سے آیا ہوں۔ لوگ اسے پکڑ کر بغداد لے گئے۔ یہاں اسے تشہیر کے بعد قید کر دیا گیا۔ لیکن قید سے نکل بھاگا۔ منصور ایک شعبدہ پرداز اور متصنع شخص تھا۔

Marfat.com

اور ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں سے اُن کے اعتقاد سے اتفاق ظاہر کر کے میل جول پیدا کرتا تھا۔ بعد میں یہ دعوٰی کیا کہ روح القدس مجھ میں حلول کر گئی ہے اور اپنے آپ کو "الٰہ" کے نام سے موسوم کیا۔ اس کے ایک خط میں جو اپنے پیروؤں کے نام لکھا تھا حسب ذیل الفاظ درج عنوان کئے گئے،

"من الهو هو الازلی الاولی النور الساطع اللامع والاصل الاصلی وحجة الحجج ورب الارباب ومنشی السحاب ومشكوٰة النور ورب الطور المتصور فی کل صورة الی عبدہٖ فلان" (ترجمہ) یہ خط ہے اس کی طرف سے جو کہ ازلی اور ابدی ہے، جو چمکتا ہوا نور، تمام اصلوں کی اصل، تمام حجتوں کی حجت، خداؤں کا خدا، بادلوں کا بنانے والا، نور کا دریچہ، طور کا خدا ہے اور تمام صورتوں میں صورت پذیر ہے فلاں بندہ کے نام"۔

اس کے پیرو اپنے خطوط کو جو اُس کے نام بھیجتے تھے اس طرح شروع کرتے تھے۔

"سبحانک یا ذات الذات ومنتهی غایة اللذات یا عظیم یا کبیر اشهد انك الباری

الفرد یم المنیر المتصور فی کل زمان ....
وفی زماننا فی صورۃ الحسین بن منصور عبدک
ومسکینک وفقیرک والمستجیر بک والمنیب
الیک الراجی رحمتک یا علام الغیوب
یقول کذا وکذا۔" (ترجمہ) شروع تیری تعریف
کے ساتھ اے تمام ہستیوں کی ہستی تمام خوشیوں کی انتہا،
اے عظیم، اے کبیر، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو باری اور قدیم
ہے اور روشنی کا پیدا کرنے والا اور تمام زمانوں میں ظاہر
ہونے والا ہے اور ہمارے زمانے میں حسین بن منصور کی
شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ تیرا غلام، مسکین، فقیر تیری مدد کا
محتاج، تیری پناہ کا طلب گار اور تیری رحمت کا امیدوار
اے پوشیدہ باتوں کے جاننے والے یہ اور یہ عرض کرتا ہے۔"
منصور نے اپنے دعوٰی میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً کتاب
نور الاصل، کتاب جسم الاکبر، کتاب جسم الاصغر۔"
آگے چل کر اسی کتاب میں یہ بھی تحریر ہے۔
منصور کے مذہب کے پیرو کچھ لوگ اس وقت تک
موجود ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ مہدی طالقان سے پھر ظاہر
ہوگا۔ اس مہدی کے متعلق کتاب الملاحم میں مذکور ہے کہ
وہ دنیا کو انصاف سے بھر دے گا جیسے کہ اس وقت جور

Marfat.com

تعدی سے بھری ہوئی ہے۔"

واضح رہے کہ علامہ البیرونی کی ولادت بھی اُسی صدی ہجری میں ہوئی تھی جس صدی میں منصور کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اور آثار الباقیہ اس واقعہ کے تقریباً ۹۰ سال بعد لکھی گئی۔"

آخر میں منصور حلاج کے بارے میں چند باتیں امام ابن جوزیؒ کی زبان قلم سے سن لیجئے جو اُن کی ایمان افروز کتاب تلبیس ابلیس میں مرقوم ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ابو عبد الرحمٰن سلمی نے کہا نقل کرتے ہیں کہ عمرو مکی نے بیان کیا کہ میں حسین بن منصور کے ہمراہ مکّہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا اور قرآن شریف پڑھتا تھا۔ میری قرأت سن کر حسین بولے کہ "ایسا کلام میں بھی کہہ سکتا ہوں" یہ بات سنتے ہی میں نے اُن کو چھوڑ دیا۔ محمد بن یحییٰ رازی کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عثمان کو حلاج پر لعنت کرتے ہوئے سُنا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر میں نے حلاج پر قابو پایا تو اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں گا۔ میں نے پوچھا کہ "اے شیخ کس وجہ سے حلاج پر اس قدر ناراض ہو" جواب دیا کہ "میں نے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی تو کہنے لگا کہ "ممکن ہے میں بھی ایسا کہہ لوں یا تالیف کروں اور ایسا ہی کلام میرا ہو۔" ابو بکر بن ممشاد نے

Marfat.com

کہا کہ ۲۹۵ھ میں ہمارے پاس ایک آدمی آیا۔ اس کے
ساتھ ایک تھیلی تھی جس کو رات اور دن میں کسی وقت
اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے اس تھیلی کو ٹٹولا۔
تو اس میں حلاج کا ایک خط نکلا جس کا عنوان یہ تھا
کہ "رحمن و رحیم کی طرف سے فلاں بن فلاں
کو واضح ہو........ وہ خط بغداد بھیج دیا گیا۔
حلاج کو بلوا کر وہ خط پیش کیا گیا کہا کہ "یہ خط میرا ہے
اور میں نے لکھا ہے۔" لوگوں نے کہا "ابھی تک تو تم
کو نبوت کا دعویٰ تھا۔ اب ربوبیت کا دعویٰ بھی کرنے
لگے۔" جواب دیا کہ "میں ربوبیت کا مدعی نہیں لیکن ہم
لوگوں کا یہ عین الجمع مذہب ہے۔ بھلا کیا اللہ تعالیٰ
کے سوا اور بھی کوئی لکھنے والا ہے۔ ہاتھ تو فقط ایک
اوزار (ذریعہ) ہے۔" ان سے پوچھا گیا کہ "تمہارے
ساتھ اور بھی کسی کا یہ مذہب ہے۔ جواب دیا کہ ہاں
ابن عطاء اور ابو محمد جریری اور ابو بکر شبلی ہیں لیکن
جریری اور شبلی چھپاتے ہیں۔ اگر کچھ ہیں تو ابن عطاء
ہیں۔ جریری کو بلوا کر پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ "یہ شخص کافر
ہے اور جس کا یہ قول ہو وہ قابل قتل ہے۔" شبلی سے
پوچھا تو کہا "جو ایسا کہے وہ نظر بند کیا جائے۔" ابن عطاء

Marfat.com

سے سوال کیا گیا تو انھوں نے حلاج کی سی بات کہی۔
یہی اس کے قتل کا سبب ہوا۔
ابو عبد اللہ بن خفیف سے ان چند اشعار کا
مطلب پوچھا گیا۔

سبحان من اظہر ناسوتہٗ سر سنا لاھوتہٗ الثاقب
ثم بدا فی خلقہ ظاھرا فی صورۃ الآکل والشارب
حتیٰ لقد عاینہٗ خلقہ کلحظۃ الحاجب بالحاجب

(ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے ناسوت کو
لاہوت درخشاں کی روشنی کے راز کا مظہر بنایا پھر اپنی
مخلوق میں کھلم کھلا کھانے پینے والے کی صورت میں ظاہر
ہوا حتیٰ کہ اس کی مخلوق نے اس کو اس طرح دیکھا۔
جیسے دونوں بھویں مقابلہ میں نظر آتی ہیں۔"

یہ اشعار سن کر شیخ نے کہا "اس کے قائل پر
خدا کی لعنت ہو۔ عیسیٰ بن فورک نے کہا یہ اشعار حسین
بن منصور کے ہیں۔" شیخ نے کہا "اگر حسین کا یہ
اعتقاد تھا تو وہ کافر ہے۔۔۔۔۔۔"

ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ منصور واقعی خدا ہونے کا مدعی تھا اور مختلف شعبدے دکھا کر وہ لوگوں کو متاثر کرتا تھا۔ اپنی چرب زبانی، چالاکی اور زمانہ سازی سے اس نے

Marfat.com

بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور اپنا پیرو بنا لیا۔ فنا ئیت وغیرہ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ اس کا شمار ولی اللہ لوگوں میں ہوتا ہے۔

دراصل منصور کا دور نہایت پُر آشوب تھا۔ اس وقت عباسی خلیفہ مقتدر باللہ مسند خلافت پر متمکن تھا۔ ہر طرف سے فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ قرامطہ کی سرگرمیاں اور ریشہ دوانیاں روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ آئے دن وہ عراق کے مختلف شہروں میں دھاوے بولتے رہتے تھے۔ جس شہر کو لوٹتے اس کے باشندوں کو قتل کرتے اور شہر کو آگ لگا دیتے تھے۔ حلاج کے قتل کے آٹھ سال بعد کا واقعہ ہے کہ انہوں نے عین حج کے موقع پر مکہ پر حملہ کیا۔ خاص حرم محترم میں حاجیوں کو بیدریغ قتل کیا۔ ان کی لاشوں کو چاہ زمزم میں ڈال دیا۔ حجر اسود اور خانہ کعبہ کا در اکھاڑ کر اپنے ساتھ لیا اور حاجیوں اور حرم کا سامان لوٹ کر بہت سے اونٹوں پر بار کیا اور اپنے ساتھ بحرین لے گئے جو ان کا مستقر تھا۔

مقتدر نہایت کم عمری میں مسند خلافت پر بیٹھا تھا اور اس کا دور کافی طویل یعنی چوتھائی صدی سے زیادہ تھا۔ یہ ایسے عوامل تھے جن کے سبب فتنہ پرداز لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور ملک میں کافی انتشار پھیلایا۔ حلاج نے اپنے لئے موقع اچھا جانا۔ لہٰذا اس نے اپنی نبوت اور الوہیت کو خوب چمکایا۔ شروع میں تو حکومت نے چشم پوشی سے کام لیا لیکن جب اس کی ریشہ دوانیاں بڑھتی چلی گئیں تو اس کو قید کر لیا۔ اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن جب اس نے اپنی روش کو نہ چھوڑا

Marfat.com

تو علما سے فتویٰ لے کر اُس کو قتل کر دیا۔ چونکہ حلاج نے تقریباً ایک لاکھ پیروکار اور پرستار بنا لئے تھے جو اس کی اُلوہیت کے قائل تھے۔ وہ اس کے قتل کے بعد دنیائے اسلام میں پھیل گئے اور انہوں نے اُس سے طرح طرح کے معجزے منسوب کر کے عوام میں پھیلانے شروع کیے۔ مثلاً یہ کہ قتل کے بعد خون کے ہر قطرہ سے انا الحق کی آواز آ رہی تھی۔

ان باتوں کا خوب پروپیگنڈہ کیا گیا۔ پھر جب وحدت الوجود کے نظریئے نے زور پکڑا تو اس کے دعویٰ الوہیت کو توحید وجودی کا نام دیدیا گیا۔ اُدھر شعراء نے منصور کے واقعہ کو طرح طرح سے اپنی شاعری کا موضوع بنا کر اس داستان کو رنگین اور پُرتاثیر بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحر معرفت کا غواص اور شہید محبت قرار دیدیا گیا اور اس کے فتنہ کو مٹانے والے ظاہر بین۔ ظالم اور سفاک کہلائے اور آج تک گالیوں سے نوازے جاتے ہیں۔

برصغیر میں حلاج کا مثنیٰ سرمد تھا۔ اس سے متعلق بھی طرح طرح کی فوق الفطرت باتیں اور کرامات بیان کر کے اُس کو ولی اللہ اور سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بنا دیا گیا۔ اور حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو زاہد خشک متعصب اور ظالم و جابر قرار دے کر گالیوں سے نوازا گیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے نابغۂ روزگار نے بھی سب سے پہلے اپنا زور قلم اسی نیک کام میں دکھایا ہے۔ انھوں نے ۱۹۱۰ء میں جب ان کی عمر غالباً ۲۱ سال تھی "حیات سرمد شہید" کے نام سے ایک کتابچہ لکھا۔ اس میں سُنی سُنائی باتیں لکھ کر سرمد کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اور اورنگ زیب کو متہم گردانا ہے۔

Marfat.com

لطف کی بات یہ ہے کہ کتابچہ کا نام حیات سرمد رکھا ہے لیکن نہ سرمد کے مولد و وطن کا نام معلوم، نہ اس کے سنہ پیدائش کا کچھ علم، نہ تعلیمی لیاقت کی کچھ خبر صرف اتنا پتہ ہے کہ وہ فارسی کا ایک اچھا شاعر تھا۔ اور اس نے اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی سے اختلاف کیا تھا۔ چنانچہ اورنگ زیب کے زہد و تقویٰ کے خلاف مولانا کی جھلاہٹ کا اس سے زیادہ واضح ثبوت کیا ہوگا کہ سرمد کی وکالت کرتے ہوئے اس دیندار اور درویش صفت فرمانروا پر یہ پھبتی چست کر گئے ہیں "ایمان بالغیب والے شہود کی منزل کو کیا جانیں" اور یہ فقرہ لکھتے وقت یہ بات بھی قطعاً بھول گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے شروع ہی میں ایمان بالغیب پر اپنی خوشنودی کا اظہار کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ راہ ہدایت پانے والے وہی متقی لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور اقام صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ کلام پاک کے الفاظ کتنے واضح ہیں "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ" شہود کی منزل جس کو مولانا ایک بلند مقام قرار دیتے ہیں غالباً ہدایت کی راہ پر چلانے کے لئے زیادہ موثر نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ لیکن ایک گمراہ شخص کو ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ ایمان بالغیب کی وادی میں قدم رکھے۔ وہ تو بے دینی کی راہ سے شہود کی منزل پر پہنچ سکتا ہے اسی لئے اسے کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے کیا واسطہ، یہ تو ایمان بالغیب رکھنے والے گھٹیا لوگوں کے لئے ہیں (استغفر اللہ من کل ذنب)

Marfat.com

مولانا نے خود اقرار کیا ہے کہ "جب سرمد سے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا گیا تو اس نے صرف "لا الٰہ" پڑھا اور جب کہا گیا کہ "الا اللہ" بھی تو کہو تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ابھی خدا کو دیکھا ہی کہاں ہے کہ میں اس کے وجود کا اقرار کروں۔ اس کے اس جواب پر علماء نے اس کو ملحد اور بے دین قرار دیدیا۔" یہ واقعہ لکھنے کے بعد مولانا ان علماء اور اُن کو اس کام پر مقرر کرنے والے فرمانروا کے متعلق جھلاہٹ میں یہ فقرہ لکھ گئے: "ایمان بالغیب والے شہود کی منزل کو کیا جانیں۔"

اس قسم کی باتیں درحقیقت شریعت و طریقت کو الگ الگ سمجھنے اور طریقت کو شریعت سے افضل قرار دینے کی وجہ سے ہو جاتی ہیں ورنہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا عالم بے بدل، مفسر قرآن اور اسلام کی روح کو سمجھنے والا انسان "ایمانِ بالغیب" کی ایسی تحقیر کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال سرمد کے مختصر حالات زندگی جو "دبستان مذاہب" کے ذریعہ معلوم ہوئے ہیں۔ ان سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ ایک آزاد خیال اور وارستہ مزاج شخص تھا۔ داراشکوہ کی مصاحبت نے اس کو سیاست میں بھی حصہ لینے پر مائل کر دیا تھا۔ ان دو باتوں نے اس کو حکومت کا معتوب بنایا۔ پھر جب اُس کو علماء کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے اُن کے سوالات کے الٹے سیدھے جواب دیئے۔ نہ اُس نے شریعت کا کوئی لحاظ کیا اور نہ طریقت کی حدود کا خیال رکھا۔ سچ پوچھئے تو وہ طریقت کے معاملات میں بھی مخلص نہیں تھا ورنہ ایسی باتیں کیوں کہتا ہے

Marfat.com

ملا گوید کہ بر فلک شد احمد سرمد گوید فلک بشد تہ احمد

یا کلمہ طیبہ پڑھنے سے کیوں گریز کرتا۔ اورنگ زیب کا میلان طبع یقیناً شریعت کی جانب زیادہ تھا لیکن وہ نقشبندی مجددی سلسلہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے طریقت کی حدود کو بھی بخوبی جانتا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ سرمد کا تعلق طریقت سے بھی نہیں ہے بلکہ وہ کسی اور وادی میں بھٹک رہا ہے۔ اور یہ وادی وہ ہے جس کا اسلام ہی سے نہیں بلکہ کسی بھی سچے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ اکثر تذکروں سے پتہ چلا ہے کہ سرمد آرمینا کا یہودی تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا اور تجارت کے سلسلہ میں ہندوستان آیا۔ یہاں عشق مجازی میں قدم رکھا لیکن یہ مجاز اُس کے لئے قنطرۃ الحقیقت نہ بن سکا۔ اور وہ اسی دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔ اور بے راہ روی اور بے دینی اختیار کر کے اسلامی شریعت کے خلاف زہر اگلنے لگا۔ اتفاق سے دارا شکوہ کو اپنے مطلب کا آدمی سمجھ کر اُس کے مصاحبوں میں شریک ہو گیا۔ اور اس کے بلند منصب اور شاہانہ قوت اور اثر سے فائدہ اٹھا کر اپنی تخریبی کارروائیوں کو فروغ دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کے زوال کے بعد بھی اُس نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں جس کی وجہ سے خاص طور پر حکومت کی توجہ کا مرکز بنا۔ ورنہ ممکن تھا حکومت اُس کی طرف کوئی دھیان بھی نہ دیتی۔ روز کوثر کے حسب ذیل بیان سے بھی اِس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے۔

"مآثر الامرا میں سرمد کے اسباب قتل کا ذکر کرتے لکھا

Marfat.com

ہے کہ اگر سچ پوچھا جائے تو قتل کا اصل سبب دارا شکوہ کی مصاحبت تھی۔ ورنہ سرمد جیسے برہنہ مجذوب اور آزادانہ گفتگو کرنے والے ہر گلی کوچہ میں پھرتے ہیں۔ اور کوئی پرسان نہیں ہوتا۔ اس دور کا ایک اور تذکرہ نگار لکھتا ہے۔

"گویند کہ او با دارا شکوہ نیز سرے داشت و اکثر اوقات نیز ماتم عالمگیر مشغوف بود۔ لہٰذا بقتل رسید واللہ اعلم بحقیقتہ حال۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے دل سے اسلام قبول ہی نہ کیا ہو اور اپنے یہودی بزرگوں پولوس اور عبداللہ ابن سبا کی کامیابیوں کو دیکھ کر اس نے بھی مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا ہو۔ آخر پولوس نے بھی تو عیسائیت کا روپ دھار کر حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے خلاف ایک دین بنا کر کھڑا کیا تھا اور اس میں وہ نہایت کامیاب رہا۔ اسی طرح عبداللہ ابن سبا نے بڑی کامیابی سے مسلمانوں میں انتشار پھیلایا تھا جس کے اثرات آج تک موجود ہیں۔ غالب گمان ہے کہ سرمد نے بھی ایسا ہی منصوبہ بنایا ہو۔ جو دارا شکوہ کی ناکامی کی وجہ سے پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا ہو۔ تاہم اس کو اپنی کوششوں کا یہ ثمرہ تو ملا کہ آج تک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل کئے ہوئے ہے اس کو

Marfat.com

شہید قرار دے رہا ہے اور اس پر عقیدت کے پھول نچھاور کر رہا ہے اور اس کے قتل کے جرم میں اورنگ زیب کو سب دشتم کا مستحق گردان رہا ہے۔

بعض لوگ اس کے خوشی خوشی جلاد کے سامنے اپنی گردن پیش کر دینے کو اس کی صداقت و حقانیت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ اور نہایت والہانہ انداز سے اس کے قتل کے واقعات کو پیش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ

"قتل کے وقت سرمد بڑا ہشاش بشاس تھا۔ جلاد سامنے آیا تو اس نے مسکرا کر کہا" فدائے تو شوم بیا بیا کہ بہر صورتے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم "یہ کہا اور ذیل کا شعر پڑھ کر تلوار کے نیچے گردن رکھ دی ؎

شورے شد و از خواب عدم دیدہ کشودیم   دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

لیکن اگر ایسے واقعات حقانیت کی دلیل ہو سکتے ہیں تو عطا ابن مقنع اور بابک خرمی اور اس کے بھائی کو بھی ولی اللہ کا درجہ دینا ہوگا۔ اس لئے کہ ابن مقنع نے تو خود کو تیزاب کے مٹکے میں ڈال کر جلا لیا تھا۔ اور بابک خرمی اور اس کے بھائی نے ہنسی خوشی موت کو قبول کیا تھا۔

بہرحال حلاج اور سرمد کے اصلی حالات سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں کے ولی اللہ ہونے کا تو کیا سوال ہے ان کے مسلمان ہونے میں بھی شبہ ہے۔ لیکن تصوف کے حلقوں نے ان کو اپنے

Marfat.com

ہاں بلند مقام پر فائز کر کے بہت سی غیر شرعی باتوں کے لیے جواز پیدا کر لیا ہے۔

بعض زہاد اور علماء و صلحا کو بھی صوفیہ کے زمرہ میں شامل کر کے اُن سے غیر شرعی باتیں منسوب کر دی گئیں مثلاً حضرت جنید بغدادی جن کو اُن کے زمانہ میں لوگ صرف زاہد کی حیثیت سے جانتے تھے۔ بعد میں صاحب کشف و کرامات صوفی قرار دیدیئے گئے اور اُن سے بعض ایسی کرامتوں کو نسبت دیدی گئی جن کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس مرد مومن کے مسلمان ہونے میں لوگ شک کرنے لگیں مثلاً اُن سے متعلق ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ

"ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کو کسی کام سے دریائے دجلہ کے پار کسی جگہ جانا تھا۔ جب وہ دریا کے کنارے پہنچے تو اُس وقت وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی تو انہوں نے اللہ کا نام لے کر پانی پر قدم رکھ دیا اور سطح آب پر اس طرح چلنے لگے جیسے زمین پر چلتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دریا کے پار ہو گئے۔ ایک شخص نے جو حضرت جنید کی طرح دریا کے کنارے پر کھڑا ہو کشتی کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ واقعہ دیکھا تو اس کو سخت تعجب ہوا۔ جب حضرت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تو اس شخص نے چیخ کر کہا حضرت آپ تو دریا کے پار ہو گئے مجھے بھی کوئی ترکیب

Marfat.com

بتائیے کہ میں بھی پار ہو جاؤں۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا "تو یا جنید یا جنید پڑھتا چلا آ۔ دریا کے پار ہو جائے گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور نصف دریا پار کر لیا۔ لیکن جب بیچ میں پہنچا تو شیطان نے آہستہ سے کان میں کہہ دیا کہ یا جنید کہنا شرک ہے انہوں نے خود یا اللہ کہہ کر دریا کو پار کیا ہے تو بھی یا اللہ کہہ۔ اُس شخص کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اس نے یا اللہ کہنا شروع کر دیا لیکن جیسے ہی کلمہ "یا اللہ" زبان سے نکالا ڈوبنے لگا۔ گھبرا کر کہا حضرت میں ڈوب رہا ہوں مجھے بچائیے۔ حضرت جنید نے جواب دیا "بے وقوف تجھ سے یا جنید کا ورد کرنے کے لئے کہا تھا اور تو نے یا اللہ کہنا شروع کر دیا۔ ڈوبے گا نہیں تو کیا ہوگا۔ پھر یا جنید کہنا شروع کر دے پار ہو جائے گا"۔ اُس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا اور پار ہو گیا جب کنارے پر پہنچ گیا تو پوچھا "حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ نے تو اللہ کہہ کر دریا پار کیا اور مجھ سے یا جنید کہلوایا" حضرت جنید نے فرمایا "بے وقوف مجھ میں اور تجھ میں بہت فرق ہے۔ میں تو اللہ تک پہنچ گیا ہوں اور تو ابھی جنید تک بھی نہیں پہنچا ہے۔ لہٰذا پہلے میرا سہارا لے پھر اللہ کا سہارا لیجیو۔"

Marfat.com

اگرچہ اس روایت میں بہت سے جھول ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ جس چیز کو شیطان بھی شرک بتا رہا ہے اس کے کرنے کا حضرت جنید مشورہ دے رہے ہیں۔ کیا غیر اسلامی تصوف کے علاوہ کسی دین و شریعت میں ایسی باتوں کے لئے کوئی جواز نکل سکتا ہے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے تو ایسے شخص کو "ولی اللہ" کہنے کے بجائے مشرک اور کافر کہا جائے گا۔ جس شخص نے بھی یہ واقعہ گھڑا ہے اس نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ پر کتنا ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن بزرگ کی تربت کو نور سے بھر دے۔ اور اس داستان کے گھڑنے والے پر اس کا ادبار ڈالے۔

دوسری عظیم ہستی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ وہ یقیناً اپنے زمانہ کے بڑے عالم، زاہد و عابد اور خدا ترس بزرگ تھے۔ لیکن معروف معنوں میں صوفی ہرگز نہیں تھے۔ امام ابن جوزی امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور محمد ابن عبدالوہاب کی طرح وہ حنبلی فقہ کے ماننے والے تھے۔ تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ تصوف نے حضرت امام احمد بن حنبل کے زمانہ میں برگ و بار پیدا کرنے شروع کئے تھے۔ اور امام احمد نے سب سے زیادہ اس کی مخالفت کی تھی۔ اُن کے تتبع میں حنبلی فقہ کے ماننے والے ہمیشہ تصوف کے مخالف رہے اور کسی نے بھی اس وادی میں قدم نہیں رکھا۔ پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے کیسے توقع

Marfat.com

کی جاسکتی ہے کہ وہ تصوف کی راہ سے روحانیت کے بلند مراتب حاصل کرتے اور پیران پیر، ولی الاولیا اور غوث الاعظم کے القاب سے یاد کئے جاتے۔ یہی نہیں۔ ان سے جو کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ ان کی ذات کو بعض اوقات انبیا علیہم السلام سے بھی زیادہ فائق و برتر بنا دیتی ہیں اور بعض اوقات ایک فوق الفطرت ہستی کی شکل میں پیش کرتی ہیں۔ ویسے تو ان کی کرامتیں حدو شمار سے باہر ہیں اور اگر ان سب کو ایک ساتھ جمع کر لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ انھوں نے پوری زندگی میں کرامتوں کے سوا کچھ کیا ہی نہیں۔ بلکہ بعض کرامتیں تو ایسی ہیں جن کا صدور اُن کی ولادت سے پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ چونکا دینے والی وہ کرامتیں ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض واقعات سے بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں بے شمار تکلیفیں اٹھا کر بہت سے مصائب برداشت کر کے اور کافی جدوجہد کے بعد سو، دوسو کی تعداد میں مسلمان بنائے لیکن حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے بارے میں مشہور ہے کہ "ایک دفعہ وہ مراقبہ میں تھے۔ بے شمار مخلوق خدا ان کے گرد جمع تھی۔ ان میں یہودی بھی تھے۔ مجوسی بھی تھے۔ نصرانی بھی تھے۔ اس حالت میں جب حضرت کا مراقبہ ختم ہوا تو انہوں نے مجمع پر ایک نظر ڈالی بمعاً دس ہزار افراد دائرہ اسلام میں داخل

Marfat.com

ہو گئے۔" اسی طرح حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایفائے عہد کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی شخص سے کسی کاروباری معاملہ میں گفتگو فرما رہے تھے، ابھی اس معاملہ کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ وہ شخص یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپؐ میرا یہیں انتظار کریں میں ابھی گھر ہو کر آتا ہوں۔ گھر جا کر وہ اپنا وعدہ بھول گیا اور دوسرے کاموں میں لگ گیا۔ تیسرے دن اس کو یاد آیا تو دوڑا ہوا وہاں گیا دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُس شخص نے معذرت کی اور آپؐ نے صرف اتنا فرمایا کہ "تم نے مجھے بہت انتظار کرایا۔"

داستان گوؤں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ سے کئی سو گنا زیادہ حیرت خیز ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت کسی جنگل میں چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں کوئی اجنبی شخص ملا۔ اور آپ کو روک کر کسی مسئلہ سے متعلق کچھ باتیں کرنے لگا۔ لیکن ابھی باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ یہ کہہ کر چلا گیا "آپ ذرا یہیں ٹھیریں۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔" حضرت شیخ نے اُسے اجازت دیدی۔ وہ شخص چلا گیا اور ایک سال تک واپس نہ آیا۔ آپ وہیں کھڑے رہے ایک سال بعد وہ واپس آیا تو معذرت کرنے لگا۔ آپ نے نہایت نرمی سے کہا، "کوئی بات نہیں ایسا ہو ہی جاتا ہے" اس کے بعد وہ شخص

Marfat.com

تھوڑی دیر تک باتیں کرنے کے بعد پھر آپ سے اجازت لے کر چلا گیا اور سال بھر کے بعد آیا۔ اس وقت بھی آپ کو وہیں کھڑا پایا۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ اس طرح تین سال تک آپ اسی ایک جگہ کھڑے رہے۔ لیکن حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ آپ کے اس تحمل سے وہ شخص جو غیر مسلم تھا بیحد متاثر ہوا اور اسلام لے آیا۔ اس واقعہ کے بعد جب کسی نے حضرت شیخ سے دریافت کیا "حضرت اس اثنا میں آپ کے کھانے پینے کا کیا رہا" تو آپ نے جواب دیا "میرا خدا مجھے غیب سے کھلاتا پلاتا رہا" عقیدت مند لوگ تو اس واقعہ پر یقیناً "آمنا وصدقنا" کہیں گے لیکن ہر شخص کے لئے تو ایسے خلاف فطرت واقعات کو صحیح سمجھنا ممکن نہیں۔ مبالغہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے لیکن غیر اسلامی تصوف میں تو جان ہی اس طرح کے غیر فطری، غلو آمیز اور خلاف عقل واقعات سے پڑتی ہے۔ لہٰذا بزرگوں کو عالم آب و گل سے اٹھا کر ملاء اعلیٰ تک پہنچانے کے لئے تمام حدود و قیود کو پھلانگنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ اور اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مقدس ہستیوں کے بارے میں مشہور کر دیئے گئے ہیں۔ اور غالباً اسی لئے یہ ضرب المثل بن گئی ہے "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" اس طرح کے واقعات کو ایسے بزرگوں سے منسوب کر کے جہاں یہ تصور دلانا مقصود ہوتا ہے کہ تصوف انسان

Marfat.com

کے اندر غیر معمولی صلاحیتیں اور فوق الفطرت عادتیں پیدا کر دیتا ہے اور اُن کی وجہ سے وہ ایسے کام کر گذرتا ہے جو انسانی عقل و خرد سے ماوراء ہوتے ہیں جیسے پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا۔ اشیاء کی قلب ماہیت کر دینا وغیرہ وہاں یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ بعض غیر شرعی باتوں کا اپنے لئے جواز پیدا کر لیا جائے۔ یہ بات غالباً فرقہ باطنیہ سے اخذ کی گئی ہے۔ اُن کے یہاں یہ ایک بنیادی تصور تھا کہ ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، عوام کی نظر ظاہر پر ہوتی ہے۔ خواص کی باطن پر۔ لہٰذا جو شخص ترقی کی جانب جانا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ ظاہر پر نہ جائے بلکہ باطن کو دیکھے۔ بعض صوفی بھی اس قسم کے واقعات بیان کر کے اسی قسم کا تاثر دیتے ہیں مثلاً یہ واقعہ کئی مرتبہ سننے میں آیا کہ ایک شخص نے کسی ولی اللہ کی بہت تعریف سنی۔ وہ ان سے ملنے کے لئے گیا۔ لیکن جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ بزرگ شراب پی رہے ہیں۔ یہ بات اسے ناگوار ہوئی اور وہ اُن سے ملے بغیر واپس ہو گیا۔ راستہ میں اس کو پیاس لگی کئی جگہ پانی پینا چاہا۔ لیکن ہر جگہ پانی شراب بن گیا۔ یہ دیکھ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس کی سمجھ میں آیا کہ ان بزرگ سے سوءِ ظن قائم کرنے کی یہ سزا ہے۔ چنانچہ وہ پھر اُن کے پاس گیا اور اُن سے معافی چاہی۔ بزرگ نے معاف کر دیا۔ اور کہا کہ "تم بزرگوں کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ان کے کاموں کے ظاہر پر کبھی نہ جاؤ بلکہ اُن سے ہمیشہ حُسنِ ظن

Marfat.com

رکھو۔ اگر وہ کوئی بُرا کام کرتے ہوئے نظر آئیں تو سمجھ لو کہ وہ کام ہمیں بُرا نظر آرہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اچھا ہے"! غرض چیزوں اور کاموں کے ظاہری اور باطنی معانی بتا کر اپنے معتقدین کے دلوں سے تو اچھے اور بُرے کے امتیاز کو ختم کر دیتے ہیں اور اپنے لئے بُرے کاموں کو جائز کر لیتے ہیں۔

ان واقعات کے بیان کرنے سے یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ تمام ہی صوفیہ ان باتوں پر عمل کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے بڑے دیندار، نیک نیت اور شرع شریف کے پابند ہیں اور تصوف کو اختیار کرنے سے اُن کا مقصد واقعی اخلاص فی العبادت ہوتا ہے لیکن چونکہ امتداد زمانہ سے تصوف میں بعض غیر اسلامی باتیں شامل ہو گئی ہیں ان کی وجہ سے عیار اور دیندار لوگ ان کا سہارا لے کر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دیتے اور دنیا کماتے ہیں۔ ان صاحبوں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ مروجہ تصوف کا گہری نظر سے جائزہ لے کر اس کی تطہیر کی جائے۔

مذہب اسلام خود ایک آسان اور سادہ مذہب ہے اس لئے اس کے تصوف میں بھی سادگی ہونی چاہیئے۔ اس میں تعینات تنزلات وغیرہ کی پیچیدہ بحثوں کے لئے کہاں سے گنجائش نکل سکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو تمام پیچیدگیوں سے آزاد کر دیا جائے۔

یہ بات اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ مسلمان دوسری قوموں

Marfat.com

سے لیا ہوا قرضہ اُن کو واپس کردیں۔ اور خود اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جائیں۔ وہ اصلیت "شریعت اسلامیہ" ہے۔ اس شریعت کو نامکمل خیال کرکے اس میں پیوندکاری کی ضرورت محسوس نہ کریں کیونکہ اب سے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خود فیصلہ کردیا تھا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم" "شریعت اسلامیہ" مسلمانوں کے لئے سب کچھ ہے۔ یہی اول ہے یہی آخر ہے۔ یہی ظاہر ہے اور یہی باطن ہے۔ یہی اللہ کی وہ رسی ہے جس کو مضبوطی سے پکڑنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مسلمان اگر اس رسی کو چھوڑ کر دوسروں کے حلقے اپنی گردن میں ڈالے رہے گا تو اس کو حرمان و خسران کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہُ امی وابی نے برابر اسی کی تعلیم دی اور اسی پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ اسی رسی کو مضبوط پکڑے رہے اور دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہوئے۔ اولیاء کبار نے خود بھی شریعت کا اتباع کیا اور دوسروں کو بھی اسی کی تاکید فرمائی۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں۔

"اوائل صوفیہ اقرار کرتے تھے کہ اعتماد کتاب و سنت پر کیا جاتا ہے۔ (بعد میں) ان لوگوں کو صرف کم علمی کے سبب شیطان نے فریب دیا۔ ابو سلیمان دارانی

Marfat.com

کہتے ہیں کہ بعض اوقات میرے دل میں صوفیہ کے نکات
سے کوئی نکتہ گزرتا ہے۔ بہت دنوں تک پڑا رہتا ہے۔
دل اس کو قبول نہیں کرتا مگر جب کہ دو شاہد عدل یعنی
کتاب وسنت شہادت دیں۔ ابو یزید بسطامیؒ نے کہا
کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو کرامتیں ملی ہیں حتیٰ کہ
وہ ہوا میں معلق دو زانو بیٹھ جاتا ہے تو دھوکا نہ کھاؤ۔
جب تک اس امر کو نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حدود شرعی
کی نگہداشت میں اس شخص کی کیا کیفیت ہے۔ ابو یزید
کہتے ہیں جو شخص قرآن کی تلاوت۔ شریعت کی حمایت۔
جماعت کا لزوم، جنازہ کے ساتھ چلنا اور مریضوں کی
عیادت کرنا چھوڑ دے اور شان باطنی کا دعویٰ
کرے وہ بدعتی ہے۔ سری (السقطیؒ) کہتے ہیں کہ جو شخص
ظاہر میں احکام کی پیروی چھوڑ کر علم باطن کا دعویٰ کرے
وہ غلطی پر ہے۔ جنیدؒ نے کہا کہ ہمارا یہ تصوف کا مذہب
کتاب وسنت و اصول سے مقید ہے یہ بھی کہا کہ ہمارا
علم کتاب وسنت سے بندھا ہوا ہے۔ جس شخص کو کتاب
یاد نہیں اور جو حدیث نہیں دیکھتا اور فقہ نہیں سیکھتا
اس کی پیروی نہ کی جائے۔" (تلبیس ابلیس)
غرض اسلامی تصوف کا مدار شریعت پر ہونا چاہیئے۔ البتہ شرعی

Marfat.com

احکام پر عمل کرنے میں اخلاص لازمی ہے۔ نماز پڑھی جائے تو اس طرح کہ "تعبد اللہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک" روزہ رکھا جائے تو اس طور پر کہ ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان اور دماغ کا کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ زکوٰۃ دی جائے تو اس طرح کہ گویا اللہ کے حکم کی بجاآوری کی جارہی ہے۔ کسی پر کوئی احسان نہیں کیا جارہا ہے۔ بلکہ اس کو اللہ کا فضل واحسان سمجھیں کہ اس نے اپنی نعمت عطا کر کے اس قابل کیا کہ اسلام کے ایک بڑے رکن کو پورا کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ حج کو جائیں تو اس طرح کہ گویا ایک ادنیٰ غلام اپنے آقا کے دربار میں جارہا ہے ان کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پوری طرح عمل کریں۔ اخلاق پاکیزہ رکھیں معاملات میں صاف رہیں کہ یہی انسان کے اعمال۔ اخلاق اور کردار کو جانچنے کی سب سے بڑی کسوٹی ہے۔ نیت کو بگڑنے نہ دیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہمیشہ خیال رکھیں۔ اور ان کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہ کریں۔ اکل حلال اور صدق مقال کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں۔ ہر وقت اللہ کو یاد رکھیں۔ اس کے ذکر سے اپنے دل کو طمانیت بہم پہنچائیں۔ اس لئے کہ اس کا مالک حقیقی نے خود حکم دیا ہے۔ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" عبادت کریں تو اسی کی۔ مدد چاہیں تو اسی سے غرض سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں اسی کے احکام پر چلیں اور اسی کے بندے بن کر رہیں اور یہ سب کچھ شریعت کی حدود میں رہ کر ہونا چاہیئے۔ اس

Marfat.com

منزل پر پہنچنے کے لئے غلط راستے اختیار کرنا بھی سراسر گمراہی ہے۔ عبادت کے جو طریقے شریعت نے مقرر کئے ہیں وہی اختیار کئے جائیں نہ حبس الدم کی مشق بہم پہنچانے کی ضرورت ہے نہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر یا الٹا لٹک کر عبادت کرنے کی حاجت ہے اور نہ سماع و رقص و سرود سے اپنے دل کی انگیٹھی کو گرم کرنا روا ہے۔ ان چیزوں سے اللہ کی رضا حاصل نہیں ہو گی بلکہ یہ طریقے اس کی ناراضی کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس نے مسلمانوں کو خود حکم دیا ہے۔ "ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان"۔ ظاہر ہے کہ اس کے بنائے ہوئے طریقوں کے خلاف جو کچھ کیا جائے گا وہ خطوات الشیطان کے ذیل میں آئے گا۔ صرف اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ شریعت کی حدود سے ایک پنج ادھر ادھر نہ ہوں اور ہر کام میں نیت خالص رکھیں ان ہی امور شرعی پر خلوص نیت سے عمل کرنے کا نام اسلامی تصوف ہے۔ یہ سادہ بھی ہے اور سب طرح کی آمیزشوں سے پاک صاف بھی ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس منزل پر پہنچنے کو اپنا نصب العین حیات بنائے اور اسی کو اپنے لئے معراج سمجھے۔

صوفیہ کرام میں بھی جو حضرات تصوف کو احسان کے مترادف اور اخلاص فی العبادات کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کئے ہوئے تھے وہ نہ تو تصوف کو شریعت سے کوئی علیحدہ چیز سمجھتے تھے اور نہ طریقت اور حقیقت کو اس کے تابع اور مددگار قرار دیتے تھے۔ حضرت شیخ احمد

Marfat.com

سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ وہ شریعت کو لازمی بتاتے اور اس کا مقام طریقت اور حقیقت سے اونچا سمجھتے تھے۔ چنانچہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ یہ اقتباسات "حضرت مجدد الف ثانی" مولفہ حضرت سید زوار حسین شاہ صاحبؒ سے ماخوذ ہیں۔

"حق تعالیٰ شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی اور استقامت عطا فرما کر اپنی بارگاہ مقدس کی طرف پوری طرح متوجہ کر لے۔ چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتدال کے طور پر اسمائی و صفاتی کمالات کے جامع اور ان تمام (اسمائی و صفاتی) کمالات کا مظہر ہیں۔ وہ کتاب (قرآن مجید) جو آپ پر نازل ہوئی۔ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی ہیں۔ اور نیز وہ شریعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے تمام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے اور وہ اعمال جو اس شریعت حقہ کے موافق ہیں سب سابقہ شریعتوں کے اعمال بلکہ فرشتوں کے اعمال سے بھی منتخب ہیں۔ کیونکہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم ہے اور بعض کو سجدے کا اور بعض کو قیام کا اور ایسا ہی گذشتہ امتوں میں سے بعض کو نماز کا حکم تھا اور بعض کو دوسری نمازوں کا۔ اس شریعت میں گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں

Marfat.com

کے اعمال کا خلاصہ اور زبدہ انتخاب کر کے ان کے بجا لانے کا حکم فرمایا۔ بس اس شریعت کو سچا جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور اُن کے موافق عمل بجا لانا ہے پس ثابت ہوا کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہوں گے۔ اور اسی طرح اس شریعت کا جھٹلانا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا ہے اور ان کو جھٹلانے والوں کے موافق عمل کرنا ہے۔ اس شریعت کی تکذیب کرنے والے تمام امتوں میں سے بدتر ہوں گے۔" (دفتر اول مکتوب ۹۷)

"شریعت کے تین جزو ہیں۔ (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔ اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو گویا حق تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہو گئی جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ ورضوان من اللّٰہ اکبر۔ اور اللّٰہ تعالیٰ کی رضا مندی سب سے بڑھ کر ہے پس شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں رہتا جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت جن کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔ اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ شریعت کے سوا اور

Marfat.com

کوئی امر احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ اوہام و خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہئے جو مقام جذب و سلوک کی نہایت ہے۔ کیونکہ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے۔ جو مقام رضا حاصل ہونے کے لئے لازمی و ضروری ہے۔" (دفتر اول مکتوب ۳۶)

شریعت اور تصوف کا موازنہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے۔ اور تصوف کی بابت کچھ نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجا لانے پر منحصر ہے۔[۱] انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا مدار اسی کو مقرر کیا ہے۔ ان بزرگوں کی بعثت

---

[۱] لیکن تصوف کو شریعت پر فوقیت دینے والے حضرات تو جنت اور دوزخ کی پروا بھی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ رابعہ بصری کا وہ واقعہ ان کے سامنے ہے۔ کہ ایک دن وہ ایک ہاتھ میں پانی کا پیالہ اور دوسرے ہاتھ میں آگ کا برتن لئے ہوئے یہ کہتی جا رہی تھیں کہ "میں اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھاؤں گی اور اس آگ سے جنت کو جلاؤں گی تاکہ پھر کوئی جنت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہ کرے۔"

Marfat.com

کا مقصد شریعت کی تبلیغ ہے پس سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دیتے اور اُن کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ خاص طور پر ایسے زمانہ میں جبکہ اسلام کے نشانات مٹ گئے ہوں۔ کروڑوں روپیہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس فعل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء ہے جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۴۸)

طریقت اور حقیقت کو شریعت کا خادم بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"اس سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے۔ جو آفاقی و انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے۔ اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص۔ پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کے خادم ہیں۔ اصل معاملہ تو یہی ہے۔ مگر ہر ایک شخص کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچتی، اکثر دنیا والوں نے خواب و خیال کے ساتھ آرام حاصل کیا ہوا ہے۔ اور اخروٹ و منقی یعنی ادنیٰ باتوں پر کفایت کی ہوئی ہے۔ وہ لوگ شریعت کے کمالات کو کیا جانیں اور حقیقت طریقت وحقیقت کو کیا سمجھیں وہ لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں۔ اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ

Marfat.com

کیا ہے۔صوفیا کی بے مقصد باتوں پر مغرور ہیں اور احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔

ھدا ھم اللہ سبحانہٗ سوآءَ الطّریق والسّلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین۔ (دفتر اول مکتوب ۴۰)

۴۔ اگرچہ اخلاص شریعت ہی کا ایک جز ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے کئی مکتوبات میں بتایا ہے۔ تاہم اس کی تکمیل کے لئے روحانی تربیت کی ضرورت ہے۔ جہاں معاشرہ تمام آلائشوں سے پاک ہو وہاں تو یہ تربیت خود بخود ہوتی رہتی ہے لیکن بگڑے ہوئے معاشرے اور مادیت میں ڈوبے ہوئے ماحول میں ضروری ہو جاتا ہے کہ روحانی تربیت کا خصوصی طور پر انتظام کیا جائے۔ اس کے لئے دیندار اور نیک لوگوں کی صحبت بے انتہا موثر ہوتی ہے۔ انسان اگر وقتاً فوقتاً دینداروں اور پرہیزگاروں کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے۔ اور ان سے تربیت پاتا رہے تو یقیناً مادیت اور برائیوں کے اثرات زائل ہوتے رہیں گے اور زندگی میں ایک گونہ توازن قائم رہے گا۔ اسی عمل کو تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کہا جائے گا۔ تربیت کے اسی طریقہ کو خواہ احسان کا نام دیں خواہ طریقت کا بہرحال یہ ایک مستحسن فعل ہے بشرطیکہ صحیح لوگوں کی صحبت مل جائے اور تربیت صحیح نہج پر ہو جائے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی دیندار نیک آدمی کو تلاش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اور اس کو ایک مستقل شکل دینے کے لئے اُس سے ایک عہد کر لیا جاتا ہے جس کو اصطلاحاً بیعت[1] کہتے ہیں۔ اور جس سے بیعت کی جائے اُس کو مرشد کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی مشہور تصنیف شفاء العلیل میں بیعت کی ضرورت و اہمیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ لیکن اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ یہ بیعت ہر کہ و مہ سے نہ کرنی چاہیئے بلکہ بیعت لینے والے کو پوری طرح جانچ کر تب اس کے زیر تربیت آنا چاہیئے۔ اس کے لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شرائط مرشد کے تحت حسب ذیل پانچ باتیں بیان کی ہیں۔

(۱) مرشد کو قرآن اور حدیث کا اتنا علم ہو کہ وہ کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف نہ خود کرے اور نہ دوسروں کو کرنے کے لیے کہے۔

(۲) مرشد میں عدالت و تقویٰ ہو اور وہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز رکھتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اڑ نہ جاتا ہو۔

(۳) مرشد دنیا طلبی میں پھنسا ہوا نہ ہو اور آخرت کا راغب ہو۔

(۴) مرشد مشرع باتوں کا امر کرتا ہو اور خلاف شرع سے روکتا ہو۔

(۵) مرشد خود مرشدان کامل کی صحبت میں رہا ہو اور اُن سے زمانہ دراز تک ادب سیکھا ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پیر ناقص سے طریقہ اخذ نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

۱؎ بیعت کے سلسلے میں ملاحظہ کیجئے شفاء العلیل از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

Marfat.com

"جاننا چاہیئے کہ زمین کا ضائع اور بیکار کرنا دو طریق پر ہے۔ ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرے یہ کہ اس میں خبیث اور خراب بیج ڈالے اور دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ ضرر رساں ہے اور اس کا فساد زیادہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا خبیث و ناپاک ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص سالک سے طریقہ اخذ کرے اور اُس کے مسلک پر چلنے لگے۔ کیونکہ ناقص حرص و ہوا کا تابع ہوتا ہے۔ اور جو حرص و ہوا کا تابع ہوتا ہے اُس کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو وہ اُس کی حرص و ہوا کو ہی زیادہ کرے گی پس اس کا نتیجہ تاریکی پر تاریکی ہے۔"

(دفتر اول مکتوب ۲۳)

نام کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر لفظ تصوف سے اجتناب برتا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ جب تصوف سے مراد شریعت ہی ہے تو پھر اصلی نام کو چھوڑ کر ایک ایسے لفظ کا سہارا کیوں لیا جائے جس کی اصل نسل تک کا کچھ پتہ نہیں اور جس کو سنتے ہی بعض ایسی باتیں ذہن میں ابھرتی ہیں جن کو اسلامی کہنے میں تامل ہوتا ہے۔ "اسلام" اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ لفظ ہے۔ اس لیئے تصوف کے بجائے "اسلام" یا "اسلامی شریعت" کو اختیار کیا جائے۔ قرآن کریم میں نہایت واضح الفاظ میں ہے "إن الدين عند الله الاسلام" دوسری جگہ ہے۔ "ورضيت لكم الاسلام دينا" لہٰذا جب ہمارا

Marfat.com

مقصد اللہ کی خوشنودی کا ہے تو وہی چیز کیوں نہ اختیار کریں جو اس کی پسندیدہ ہے۔

آخر میں یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہمارا نصب العین اتباعِ رسولؐ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ کی رضا اور محبت اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں اس کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے "قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ (اے رسول کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔" اس ارشاد کی روشنی میں ہمیں چاہیئے کہ صرف وہ کام کریں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہوتا ہو۔ اور اگر کوئی بات اس کے خلاف ہو وہ خواہ کتنی ہی بلند سطح سے آئی ہو اُس سے کلیتہً اجتناب کریں۔ ہم دعا کرتے ہیں:

اے اللہ! تو ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے احکام پر چلیں۔ اور تیرے رسولؐ کا پورا پورا اتباع کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

Marfat.com

تصوف کی حقیقت

29
7 ت
116

ثناء الحق صدیقی

Marfat.com